وَاللّٰهُ يُؤْتِیْ مُلْکَهٗ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

صولتِ شیر شاہی

۱۳۵۲ھ

یعنی

سوانح عمری سلطان عادل شیر شاہ سوری رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

جناب منشی سید احمد مرتضیٰ صاحب نظر قطبی نصیر آبادی مؤلف تاریخ آثار مالوہ

وکیل عدالت ہائے ریاست ٹونک مقیم سرونج مالوہ

حسب الارشاد

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء

ف

خزینۂ معلومات مفت طلب کیجئے

چند سال سے کانفرنس نے اپنا بک ڈپو قائم کیا ہے جس میں اردو کے تمام مصنفین مثلاً سر سید
نواب محسن الملک، مولانا حالی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حافظ نذیر احمد، مولانا سید سلیمان
ندوی، مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ) وغیرہ کی تصنیفات موجود
ہیں جو مناسب نرخ پر فروخت ہوتی ہیں۔

بچوں اور عورتوں کی تعلیم و تربیت نیز فن تعلیم کے متعلق بھی متعدد معتبر و مفید کتابیں اس
بک ڈپو سے مل سکتی ہیں، اس کے علاوہ گزشتہ چند سال میں خود کانفرنس نے جو عمدہ و دلچسپ
کتابیں نہایت اہتمام سے حسن طباعت و کتابت کے ساتھ شائع کی ہیں مثلاً وقار حیات، یاد ایام
خطبات عالیہ، فطرت اطفال، التربیۃ الاستقلالیہ، سلاطین معبر، تاریخ ملیبار، رسالہ اتالیق
بچوں کی تعلیمی ریڈریں وغیرہ خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کے قابل ہیں، ایک خاص بات یہ ہے کہ عام
فائدہ کے خیال سے باوجود ظاہری و معنوی محاسن کے ان کی قیمتیں بہت کم رکھی گئی ہیں۔ یہ کتابیں بھی
کانفرنس بک ڈپو سے ملتی ہیں اور زیادہ خریداری پر تاجروں کو کمیشن بھی دیا جاتا ہے۔

ان سب کتابوں کے تفصیلی حالات اور اُن کی قیمتیں رسالہ خزینۂ معلومات سے
معلوم ہوں گی آپ صرف ایک کارڈ لکھ دیجئے۔ رسالہ خزینۂ معلومات جو ۵۰ صفحے کا ہے دفتر سے
محصول ڈاک لگا کر آپ کی خدمت میں بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کو پڑھ کر آپ اپنے مذاق
و شوق کی کتابیں طلب کر لیجئے۔

ملنے کا پتہ

صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ

ہدیہ

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو حافظ الدنیا والدین سلطان العادل شاہ عالم سلطان شیر شاہ سور رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی کے ساتھ اُس کے بہترین کارناموں کی یادگار میں معنون کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ غفور الرحیم اس کی روح پاک پر اپنی خاص رحمتیں ہمیشہ نازل فرماتا رہے، اور میری لغزشوں کو بھی معاف فرمائے، آمین ثم آمین

خاکسار سید احمد مرتضیٰ نظرؔ
عفاہ اللہ الاکبر

تبصرہ و تعارف

صولت شیر شاہی کو میں نے غور سے دیکھا۔ فاضل مولّف کو بے اختیار داد دینی پڑتی ہے کہ شیر شاہ کے حالات و سیرت کے متفرق اجزا کو کمال جانکاہی اور عرق ریزی سے یکجا کر کے صحیح تاریخ دنیا کے سامنے پیش کر دی ہے، اور وہ تمام پردے اٹھا دئے ہیں جو جمال حقیقت پر پڑے ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولّف کو قدرت نے خود اعلیٰ صفات کے ساتھ موصوف کیا ہے، ذہن رسا اور طبع سلیم کے ساتھ ان کا قلب تعصب کی آلائش سے پاک، اور حقیقت شناسی کے جوہر سے مجلیٰ ہے، انصاف پسندی ان کا شیوہ ہے، اور حقیقت نگاری ان کا مسلک یہی وجہ ہے کہ ایک عادل و عاقل شجاع و متبع شریعت، غرض جامع اوصاف سلطان کے اعلیٰ کارناموں نے مولّف کے قلب کو اثر پذیر کر کے صحیح لائف لکھنے پر مجبور کر دیا، اور قابل ترین مولّف نے اپنے قلم صداقت نگار سے شیر شاہ کی سیرت کی اصلی تصویر کھینچ دی۔

غالباً اس سے پہلے اردو میں شیر شاہ کی مفصل اور جامع لائف جداگانہ نہیں لکھی گئی محترم مولّف نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا ہے اور سلطان شیر شاہ کی روشن سیرت پر بعض ناعاقبت بیں اور متعصب مورخوں نے بیجا الزامات کے جو بدنما داغ ڈال دئے تھے ان کو بھی دور کر کے شیر شاہ کو، شیر شاہ اعظم (جس کا کہ وہ مستحق تھا) دلائل مبرہن سے ثابت کر دکھایا ہے۔ یہ یقین ہے کہ سلطان شیر شاہ کی روح مولّف کی اس تالیف سے

تسکین حاصل کر کے شاد ماں ہوئے بغیر نہیں رہے گی، اور بارگاہ ایزدی سے بھی اس قابلانہ خدمت کے معاوضہ میں اجر عطا فرمایا جائے گا۔

میں نے اس کتاب میں ایک بات خصوصیت کے ساتھ یہ دیکھی ہے کہ مؤلف سیرت لکھنے میں جتنا آگے بڑھتے گئے ہیں اُسی قدر زور قلم بھی بڑھتا گیا ہے یہاں تک کہ باب ہفتم میں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے دلائل و براہین کی پوری طاقت سے کام کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے وہ عین حقیقت ہے، قابل مؤلف اگرچہ دنیاوی شکوہ کے لحاظ سے زیادہ بلند درجہ نہیں رکھتے، لیکن تاریخ دانی، علمی قابلیت، اور حسن اخلاق کے اعتبار سے ایک ذی وقار ہستی ہیں۔

سنہ ۱۹۱۰ء سے میرا اور مؤلف کا ساتھ ہے جبکہ میں اہلمد، اور مؤلف پیشکار عدالت فوجداری میں تھے، ایک طویل رفاقت نے مجھکو مؤلف کے خاندانی حالات سے بھی واقف کر دیا ہے۔ آپ سید حسنی الحسینی ہیں۔ ہندوستان میں آپ کے جد امجد مجاہد اعظم امیر کبیر سید قطب الدین احمد حسنی مدنی رحمۃ اللہ علیہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں بموجب بشارت نبوی صلعم بعزم جہاد وارد ہوئے، افغانستانی ۸۰ ہزار کا لشکر ہمراہ تھا بنارس، کڑہ مانکپور، فتحپور ہسوہ، اور قنوج وغیرہ میں تبلیغ اسلام کی، منکرین پر جہاد کیا، جب امیر کبیر نے اپنے فرائض پورے کر لئے دربار خداوندی سے فرمان طلبی صادر ہوا، روح پاک اعلیٰ علیین کو پہنچی اور جسد اقدس کڑہ مانکپور میں شاہ مجذوب کڑک رحمۃ اللہ علیہ کے کٹرہ میں مدفون ہوا۔

حضرت امیر کبیر کی اولاد نے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کی، جن کا سلسلہ قیام آج مانکپور، کڑہ، الہ آباد، فتحپور ہسوہ، تکیہ شاہ علیم اللہؒ رائے بریلی، قصبہ نصیر آباد (ضلع رائے بریلی) صوبہ بہار، قافلہ (ٹونک) وغیرہ میں موجود ہے۔

حضرت مجاہد اعظم کی بارہویں پشت میں قاضی سید محمودؒ ۹۰۸ھ میں سلاطین شرقی

جونپور کی طرف سے نصیر آباد کے قاضی مقرر ہو کر تشریف لائے، اور ۸۶۱ھ میں انتقال فرمایا" یافت محمود مقام محمود" تاریخ وصال ہے، اس خاندان میں بڑے بڑے اولیاء اللہؒ علماءؒ فضلاء اور صلحاء گزرے ہیں، عہد عالمگیری میں شاہ علم اللہ تکیوی؛ حضرت دیوان خواجہ احمد صاحبؒ وغیرہ اور اخیر میں مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد صاحب شہید رائے بریلی (جنھوں نے ابتدائے عہد انگریزی میں سکھوں سے جہاد کیا تھا) نامور گزرے ہیں۔

اسی طرح دنیاوی جاہ و جلال کے اعتبار سے بھی بعض ہستیاں ممتاز گزری ہیں، قاضی سید محمودؒ کی پانچویں پشت میں علامہ سید ہدایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ صدر الصدور و وزیر اوقاف شاہجہانی معروف و مقتدر عہدہ دار تھے، جہانگیر نے ابتدا میں ان کو فدوی خاں کا خطاب دیکر بنگالہ کی صوبہ داری پر مامور کیا، شاہجہاں نے مزید ترقی دی شاہجہاں کی نظربندی کے زمانہ میں عالمگیر کو فہمائش کرنے میں انہوں نے بھی بہت زیادہ حصہ لیا تھا، جس کا تذکرہ تاریخوں میں ہے، علامہ موصوف کی نویں پشت میں اس کتاب کے مؤلف کی ممتاز ہستی ہے، جو ۱۲۹۳ھ کو سرزمین ٹونک میں نمایاں ہوئی، مولف کا مولد ٹونک ریاست، اور وطن قصبۂ نصیر آباد ضلع رائے بریلی ملک اودھ ہے۔

۱۳۰۹ھ میں آپ بنارس کے اُس عربی مدرسہ میں داخل ہوئے جسے نواب یمین الدولہ محمد علی خاں بہادر صولت جنگ سابق رئیس ٹونک نے قائم کیا تھا، وہاں سے دو برس کے بعد عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھکر ۱۳۱۱ھ میں سرونج آئے، جہاں کے بعض رشتہ دار بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے، یہاں بھی آپ نے علمی شوق کو نہیں چھوڑا، کتب بینی اور علمی صحبت خاص مشغلہ رہا، شعر و سخن کا بھی شوق رہا، مضامین نگاری کی طرف بھی طبیعت راغب رہی، فارسی اور اردو میں خوب شعر کہتے ہیں، آپ کی نظم و نثر مشہور ہے، اکثر آپ سے مستفیض ہوئے، اور ہوتے ہیں۔

آپ نے ملازمت کی طرف توجہ کی تو بہت جلد ترقی کرتے ہوئے پیشکار عدالت فوجداری ہوئے جہاں ۲۱-۲۲ سال تک فائز رہے، قانونی معلومات کافی ہے اور ریاست ٹونک کے ممتاز ادیب و انشا پردازوں میں سے ایک آپ بھی ہیں، قانون دانی میں خاص طور پر شہرت ہے، آج کل سند یافتہ وکیل ہیں، چونکہ تاریخ و سیر کی کتابیں کثرت سے زیر مطالعہ رہی ہیں اس لئے تالیف و تصنیف کا بھی شوق رہا، پہلے آثار مالوہ ایک ضخیم کتاب لکھی جس کو نواب امین الدولہ بہادر صولت جنگ سابق رئیس ٹونک نے قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا، مولف کو نقد انعام کے علاوہ دو سو بیگھہ اراضی معافی بھی عطا کی، اب یہ دوسری کتاب مکمل ہوئی ہے، جس کا پیرایہ ادا لاجواب ہے۔

اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم مولف کی محنت کا صلہ کتاب کی اشاعت اور عام مقبولیت کی صورت میں عطا فرمائے۔ آمین

(منشی فاضل) محمد مسعود ٹونکی، نائب ناظم سرونج
(ریاست ٹونک راجپوتانہ)
۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ
مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء

فہرست مضامین

پانچواں باب

تنظیمات، وسیاسیات شیرشاہی

چھٹا باب

خصائل شیرشاہی

ساتواں باب

سلطان شیرشاہ کے کارناموں پر مورخانہ تنقید

ضمیمہ صولت شیرشاہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

رباعی

خامہ را بر سرِ قرطاس روانی از تست ‏ ‏ صفحہ صفحہ چمنِ باغِ معانی از تست
سینہ را گنجِ گہرہائے مضامیں کردی ‏ ‏ در زبانم اثرِ سحر بیانی از تست

از مؤلف

سببِ تالیف | ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء میں میں نے شہر سرونج مضاف صوبۂ مالوہ کے تاریخی وجغرافی حالات کے ساتھ صوبۂ مالوہ، اور شاہان مالوہ کی ایک مفصل تاریخ آثار مالوہ کے نام سے لکھی ہے، جو ہنوز زیر طبع ہے، سرونج کی آبادی کی تحقیقات کے سلسلہ میں معلوم ہوا تھا کہ موجودہ شہری آبادی سلطان شیر شاہ سوری کے متحدثات وآثارات سے ہے، اور اس کا ابتدائی نام شیر گنج تھا، میں نے زبانی روایات پر اعتناء نہ کرکے شیر شاہی عہد کی اساسی وعماراتی فہرست، اور اُس کے حالات کو فارسی کی تاریخی کتابوں میں غور سے دیکھنا شروع کیا اس کی تصدیق تو نہیں ہو سکی کہ سرونج کو شیر شاہ نے آباد کیا ہے (جس کی مفصل بحث کتاب آثار مالوہ میں درج ہے) لیکن فارسی کی بعض تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے افغانی سلاطین میں شیر شاہ جامع اوصاف ہستی کا ایک بے مثل فرمانروا گذرا ہے، نظم، تہذیب، عدالت، سیاست، اور آئین سازی میں خصوصاً اُس کا جواب نہ تھا، سلطنت اور رعیت

کے فلاح و بہبود کے لئے جو بہترین نظامِ عمل اس نے مرتب کیا تھا، بعد کے تیموریہ سلاطین نے بہت کچھ اُس سے استفادہ بھی کیا، لیکن یہ دیکھکر اور پڑھکر افسوس ہوا کہ بعض مورخین تیموریہ نے اپنے آقاؤں کی خوشامد میں ایسے اقبال مند، اولوالعزم، منتظم، اور انصاف پسند سلطان پر جس کا نظامِ حکومت نہایت شاندار گذرا ہے،" طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں، اعتراضات کئے ہیں، خفیف لغزشوں کو شدید اشکال ہیں، اور روشن کارناموں کو سیاہ اعمالنامہ میں تبدیل کرکے دکھلایا ہے!

اُردو میں کوئی مستقل لائف اس وقت تک سلطان شیر شاہ کی میری نظر سے نہیں گذری بعض تاریخی کتابوں میں البتہ ضمناً تذکرہ آگیا ہے، میں نے اس کمی کا احساس کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ سلطان شیر شاہ کی ایک ایسی مفصل سیرت لکھکر ناظرین تاریخ کے سامنے پیش کروں جس کے دیکھنے سے اُس کا صحیح مرقع آنکھوں کے سامنے آجائے، عملی طور پر اس ارادہ کی تکمیل میں ہمیں نے آثار مالوہ کی تدوین و ترتیب کے ساتھ ساتھ ہی فارسی تاریخوں سے ضروری انتخابات بھی شروع کردیئے تھے، لیکن وکالت کے روزانہ مشاغل نے انتخابات و یادداشت کے کاموں کی طرف اُس وقت پورے طور پر متوجہ نہ ہونے دیا، اور سلسلہ ترتیب و تکمیل بند ہوگیا!

چار سال تک کی مسلسل خاموشی اور جمود کے بعد بعض ذوی علم احباب کے متواتر اصرار و تقاضوں سے پچھلا خیال پھر تازہ ہوگیا، گو عدیم الفرصتی اور قوائے علمی و دماغی کے انحطاط سے سیرت نگاری کی کٹھن منزلوں کا طے کرنا آسان نہ تھا تاہم اس مشہور مقولہ کی راستی پر کہ

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

کاغذ قلم ہاتھ میں لیکر تاریخی دشوار گذار میدان طے کرنے کے لئے مستعد ہوگیا، خدائے برتر کی اعانت آمیز مہربانیوں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ دس مہینہ کی جستجو، محنت، جانکاہی، جست و خیز، اور مصروفیت کے بعد منزلِ مقصود تک رسائی ہوئی، اور میں اپنے تصورات کے مطابق شیر شاہی سیرت

کے تمام عنوانات اور ابواب کی ترتیب و تکمیل سے فارغ ہوگیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تاریخ کے متعلق مورخین کے فرائض

تاریخ و سیرت نگاری آسان بھی ہے، اور مشکل بھی، آسان یوں ہے کہ ہمارے فیاض اور علوم پرست متقدمین کی علمی فیاضیوں، اور تاریخی زرپاشیوں کے طفیل میں تاریخ و سیرت کا بہت کافی ذخیرہ عربی و فارسی وغیرہ زبانوں میں موجود ہے، دورِ حاضرہ کے اُردو مورخین کو اپنی زبان میں اُن کتابوں کا ترجمہ کرنے، یا حالات اور تاریخی واقعات کا انتخاب کرکے سادہ طور پر کسی قوم کسی ملک، کسی بادشاہ، یا کسی نامور اہلِ علم و کمال کی سیرت ترتیب دینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ ع چوں مضامیں جمع گردد شاعری دشوار نیست۔

مشکل اس لئے ہے کہ فن سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کے جو اصول ہیں، اُن کو زیرِ نظر رکھکر کسی شخص کے عادات، خصائل، زندگی کے واقعات، ملکی حالات، طریقِ حکومت، نظامِ سلطنت اور اگر کسی خاص قوم یا ملک کی تاریخ مرتب کرنی مقصود ہو تو اسی طرح ملکی اور قومی رسم و رواج اس کا طرزِ معاشرت، اُس کا تمدن، طریقِ تجارت، صنعت و حرفت، وغیرہ کے ہر شعبے اور ہر شعبے کے باریک سے باریک نکات کو دیکھنا، تلاش کرنا، روایات کو درایت کی کسوٹی پر کسنا، جزئیات سے کلیات کا استنباط کرنا، اس کے بعد نتیجہ نکالنا اور اُس پر صحیح رائے قائم کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

مورخ کے لئے پہلا اصول یہ ہے کہ سیرت نگاری کے وقت اس کا ضمیر بیجا مدح سرائی غیروں کی خوشامد، اور ذاتی تعصبات سے پاک ہو، یعنی وہ جس کسی کی سیرت لکھنی چاہیے، اُس پر نہ اتنا مہربان ہو کہ اس کے سیاہ اعمالنامے، عمدہ کارناموں سے بدل دے، نہ اتنا ہوا پرست اور خوشامدی ہو کہ دوسروں کے خیال واثر سے آفتاب کو ذرہ، اور ذرہ کو آفتاب بنا دے، نہ اس قدر

تنگ ظرف اور متعصب ہو کہ خواہ مخواہ عیب جوئیوں اور نکتہ چینیوں کو کمال سیرت نگاری سمجھنے لگے، ان باتوں سے سیرت کا مطلع اس قدر غبار آلود ہو جاتا ہے کہ اگر باریک بیں اور دقیقہ رس نگاہیں بھی محاسن و معائب کے خال و خط کا پتہ لگانا چاہیں تو کامیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے مورخ کو اعتدال پسندی کے ساتھ درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ مورخ جزئیات سے کلیات کا صحیح گلدستہ بنانے پر قادر ہو، اور یہ متمدن ممالک کے تمام حکماء کا تسلیم شدہ نظریہ ہے کہ اجزاء اور اجزاء کے خواص معلوم کئے بغیر کوئی موجد ایجادات و اختراعات میں کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لئے کسی کے حالات یا کسی قوم کے تاریخی واقعات کو سرسری نظر سے کتابوں میں دیکھنے، اور اُن پر رائے قائم کرنے سے قبل، اُن ہی کتابوں میں روشنی اور سیاہی کے اسباب کو تلاش کرنا چاہئے، جب کمال غور و فکر کے ساتھ مورخ تمام تحقیقاتی منازل کو طے کرے گا تو پھر اس میں تفریقی و امتیازی قوت اس قدر پیدا ہو سکتی ہے کہ مدح کو ذم سے، صدق کو کذب سے، نور کو ظلمت سے، پھول کو کانٹوں سے، دودھ کو پانی سے، جدا کر کے کسی کی صحیح تصویر تاریخی اوراق پر کھینچ سکے، اس تصنع اور آورد کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ ع

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

میں نے حتی الامکان کتاب کی ترتیب کے وقت اُن اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔

ماخذ کتاب کی تدوین کے وقت "تاریخ شیر شاہی" تاریخ مخازن افغانی" تاریخ داؤدی" فرشتہ، منتخب التواریخ، ہسٹری آف انڈیا مؤلفہ مارشمین صاحب، تاریخ خافی خاں طبقات اکبری، اکبر نامہ، سلاطین افغانیہ میرے پیش نظر رہی ہیں، تاریخ شیر شاہی چونکہ اکبری عہد میں عباس خاں شروانی نے خاص شیر شاہ کے حالات میں لکھی ہے، اس لئے جزئیات کی تفصیل کثرت سے اس میں درج ہے، اسی کتاب کو میری کتاب کا اصلی ماخذ سمجھنا چاہئے، بعض بعض ضروری اور اہم واقعات کو انتخاب کرنے میں دوسری کتابوں سے بھی امداد لی گئی ہے، کوئی اہم واقعہ

ایسا نہیں کہ جس کو میں نے نظر انداز کیا ہو، البتہ غیر ضروری جزئیات کو میں نے شامل کرنے سے قصداً احتراز کیا ہے، اُن کے اشتمال سے سوائے اس کے کہ کتاب کی ضخامت دو دنی ہو جاتی اور کوئی فائدہ نہ تھا۔

بعض مورخین تیموریہ نے سلطان شیر شاہ کے ذاتی حالات اور اس کے نظام حکومت کو قلمبند کرتے وقت تاریخ نگاری کے اصول کا مطلق خیال نہیں کیا، اکبری عظمت کے مشہور فسانہ نگار علامہ **ابوالفضل**، اور دوسرے درجہ پر **خافی خاں** نے اپنے آقاؤں کی مدح سرائی اور خوشامد کے جال میں پھنس کر اور شاعرانہ غلو سے کام لیکر تیموریہ سلاطین کے کارناموں کی زمین کو آسمان، اور شیر شاہ کے اعمالنامہ کے آسمان کو زمین بنا دیا ہے، شیر شاہی حالات لکھتے وقت ان کے دلوں میں تیموریہ خیر خواہی کے جذبات کا اس قدر تلاطم پیدا ہو جاتا ہے، کہ حق و باطل کا امتیاز ان کو نہیں رہتا میں نے اکبر نامہ کو غور سے دیکھا ہے، مجھکو علامہ ابوالفضل کی اخلاقی جرأت پر سخت تعجب ہے کہ شیر خاں کے سوا کسی جگہ شیر شاہ اُس کے قلم سے نہیں نکلا۔ حالانکہ شیر شاہ کو سلطان اور آئین سلطنت سے آشنا بتلاتا ہے، اور جگہ جگہ شیر شاہ کے ساتھ یہ مہربانیاں اور کی ہیں کہ کہیں ذلیل وقت کہیں عیّار و مکّار، کہیں نیرنگ ساز و روباہ باز کہیں سیاہ بخت و تیرہ روزگار وغیرہ رکیک الفاظ سے یاد کیا ہے، جب اکبری دربار کے مہذب وزیر اعظم اور مورخ کے اخلاق کا یہ نمونہ ہے، تو دوسروں سے کیا شکایت ہو۔

چونکہ سیرت نگاری کے لحاظ سے میرا فرض تھا کہ میں صحیح واقعات لکھکر اس پر تنقید و تبصرہ کروں اس لئے اس کتاب کے ساتویں باب میں، شیر شاہ کے ذاتی و صفاتی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مورخین تیموریہ کی نکتہ چینیوں کے مسکت اور مفصل جوابات دئے ہیں۔

مجھے خود روحی صدمہ ہے کہ میں نے معترضین کی ارواح کو آج کئی صدیوں کے بعد اُن کے بعض اقوال کی تکذیب کرتے ہوئے صدمہ پہنچایا ہے، مگر خدا شاہد ہے کہ میں نے ضمیر فروشی نہیں کی اور جو میرا فرض تھا اُسے صفائی اور اعتدال پسندی کے ساتھ ادا کیا ہے، خدائے پاک آپ

رحمت فرمائے اور مجھے معاف کرے۔ ناچیز بھی اُن کی روحوں سے بھی معافی کا طالب ہوں۔

اُردو میں تالیفات کی کثرت

اُردو زبان کی عمر گو بہت کم ہے، لیکن یہ اُس کی خوش قسمتی ہے کہ اپنے عاشقوں اور قدر دانوں کی خاص توجہ سے اُس نے ترقی کے مدارج کو اس قدر جلد طے کیا ہے کہ بقول علامہ شبلی مرحوم علمی زبان کی بلند کرسی پر پہنچنے کے قریب ہوگئی ہے، اور مقام مسرت ہے کہ اس زبان میں آج تک مختلف علوم و فنون، تواریخ و سیر میں سحر نگار انشاء پردازوں کے قلم سے ہزاروں لاکھوں کتابیں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہیں، اور اب تک سلسلہ تالیف وطباعت برابر جاری ہے، لیکن میں افسوس کے ساتھ اس امر واقعی کے اظہار پر مجبور ہوں کہ جس طرح بعض متقدمین نے اصول سیرت نگاری سے قطع نظر کر لیا ہے، اسی طرح موجودہ دور کے اُردو مورخین نے بھی باستثنائے خواص، اس ضروری اور اصولی عناصر کو شامل کرنے سے اجتناب کیا ہے، جس کی وجہ سے حقائق کے چہرہ پر نقاب پڑ جانا ناگزیر ہوا۔

مورخین اُردو میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور ادیب و مورخ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کو فلسفہ کی نگاہ سے دیکھ کر درایت او تنقید کا راستہ نکالا، جس کی تقلید کو خواص اہل قلم نے اپنا شعار بنایا، موجودہ زمانہ میں مولانا مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی وہ مایۂ ناز ہستی ہے جنھوں نے درایت او تنقید کی زمین کو آسمان بنا دیا ہے۔

اس کتاب کے مؤلف کو شرم آتی ہے کہ نامور مصنفین و مؤلفین تاریخ کے طبقہ میں اپنی ذات کو شامل کرے، اگرچہ مؤلف کی عمر تقریباً ۷۵ سال کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و سیر کے مجالس میں طفل مکتب سے زیادہ اُس کی ہستی نہیں ہے، اس کا اعتراف ضرور ہے کہ اپنی زندگی کے فرصتی اوقات کو تاریخ و سیر کی فارسی اور اُردو کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا رہا ہے، اِنھی اشغال اور شوق کا یہ نتیجہ ہے کہ اخیر عمر میں "آثار مالوہ" کے بعد یہ دوسری تاریخی کتاب اس کے ناچیز قلم سے نکلی ہے۔

اس کا دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ جو اصول مؤلف نے بتائے ہیں، اُسی لباس میں اس کتاب کو

مکمل طور پر آراستہ کیا گیا ہے، لیکن کوشش کی گئی ہے کہ شیر شاہی مرقع کو اصلی ہیئت میں مرتب کر کے پیش کیا جائے، میں اس بات کو کہ اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں، قارئین کرام کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔

مجھے عجز کے ساتھ اپنی کم استعدادی کا اعتراف ہے، جس کی وجہ سے زبان، محاورہ، مضامین اور کتاب میں ادبی غلطیوں کا ہونا ممکنات سے ہے، قدیم سے عام دستور چلا آرہا ہے کہ مصنفین اور مؤلفین اپنی کتابوں کے دیباچہ کے اخیر میں اپنی غلطیوں پر ناظرین کتاب سے پردہ پوشی کی استدعا کرتے رہے ہیں، اور خود میں نے بھی "آثار مالوہ" میں اس قسم کی خواہش کی ہے، لیکن غور و فکر کے بعد میں پردہ پوشی کے اصول کو معیار تالیفات کے بالکل منافی سمجھتا ہوں، جس کی وجہ سے مؤلفین و مصنفین کے نقائص و عیوب پر ہمیشہ کے لئے پردہ پڑ جاتا ہے، اور اصلاح طلب امور کی طرف آئندہ اُن کو توجہ نہیں ہوتی، ذات الٰہی ایک ایسی مقدس ہستی ہے جو تمام نقائص سے منزّہ و مبرا ہے انسان اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا، خطا و نسیان اُس کی سرشت میں ہے، ان وجوہ سے میں اجازت دیتا ہوں کہ قارئین کرام سے جو بزرگ میری غلطیوں کا اظہار نجی خطوط کے ذریعہ سے فرمائیں گے، شکر گذاری کے ساتھ میں ان کو قبول کرتے ہوئے، دوسرے ایڈیشن میں اُن اصلاحات کو درج کردوں گا، اور اس سے میری معلومات میں گونہ اضافہ بھی ہو جائے گا۔

دوست آں است کو معائب دوست   ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ کہ چوں شانہ با ہزار زباں   پس سر رفت و مو بمو گوید

خاکسار۔ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ، قطبی، نصیر آبادی مضاف اودھ
ضلع رائے بریلی، مقیم سرونج مالوہ (ضلع ریاست ٹونک)
وکیل عدالت ہائے ٹونک سٹیٹ
۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء

پہلا باب

پیدائش، خاندانی اور ابتدائی حالات

فرید خاں نام، شیر خاں خطاب، شاہ عالم، سلطان عادل، شیر شاہ سوری، القاب، باپ کا نام حسن خاں، دادا کا نام ابراہیم خاں، وطن علاقہ روہ ملک افغانستان تھا۔

سوری کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ غوری سلاطین کا ایک شاہزادہ "محمد سور" کسی خانگی نزاع کی بنا پر اپنے وطن سے نکل کر علاقہ روہ میں چلا آیا تھا، روہ کے افغانی قبائل اُس زمانہ میں غیر خاندانی اشخاص کو اپنی لڑکیاں منسوب کرنا معیوب سمجھتے تھے، لیکن اس قدیمی رسم کے خلاف اُنہوں نے سلسلۂ نسب تحقیق کر کے شاہزادہ محمد سور کو اپنی لڑکی دیدی، اُس کی نسل سے جو اولاد ہوئی وہ باپ کی اسمی نسبت سے سوری مشہور ہوئی، جس کا نسلی سلسلہ ترقی کرتا ہوا ایک ممتاز قبیلہ بن گیا، یہی وہ اعزازی نسبت ہے کہ جس کی بنا پر سوری قبیلہ اپنے کو دوسرے افغانی قبائل سے اشرف اور افضل سمجھتا ہے۔

مورخین کا اس باب میں اتفاق ہے کہ سلطان بہلول لودی کے عہد حکومت میں فرید خاں کا دادا، ابراہیم خاں سور ہندوستان آیا، اس کے ہمراہ اُس کا بیٹا حسن خاں بھی تھا، علامہ ابوالفضل کا قول ہے کہ ابراہیم خاں نے ہندوستان آکر گھوڑوں کی تجارت اختیار کی، اُس وقت اُس کا مستقر موضع شملہ پرگنہ نارنول تھا، فرشتہ، اور مورخ شیر شاہی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ ابراہیم خاں سور ملازمت کی غرض سے ہندوستان آیا، اور ملازم بھی ہوا، یہ کسی مورخ نے تصریح نہیں کی کہ ابراہیم خاں سور کا سن آمد کونسا ہے، سلطان بہلول ۸۵۵ھ میں تخت نشین ہوا ہے، اس کے بعد ہی ابراہیم خاں کی

آمد سمجھنی چاہئے۔

ابراہیم خاں نے سب سے پہلے مہابت خاں سور (جاگیردار ہریانہ) بہکال وغیرہ (ملک پنجاب) کی ملازمت اختیار کر کے موضع بجواڑہ کو اپنا عارضی مسکن بنایا، کچھ مدت کے بعد وہاں سے قطع تعلق کر کے حصار فیروزہ میں آیا، اور جمال سارنگ خانی کا ملازم ہوا، اس نے چند دیہات جاگیر میں ابراہیم خاں کو دیکر چالیس سواروں کا جاگیردار مقرر کیا۔

ابراہیم خاں کا بیٹا حسن خاں سور جوان ہوچکا تھا، جوانی اور سپہ گری کی اُمنگ نے اُسے بھی ملازمت پر آمادہ کیا، آخر کار جوڑ توڑ لگا کر مسند عالی خان اعظم عمر خاں شروانی[1] کے خاص نوکروں میں داخل ہوگیا، جو اس وقت سلطان بہلول کا ندیم خاص، اور بعد میں صدر اعظم بھی ہوگیا تھا۔ اسی زمانہ میں مسند عالی تاتار خاں حاکم پنجاب نے انتقال کیا، اور اس کی جگہ حسن خاں سور کا آقا عمر خاں خان اعظم مامور ہوا، حسن خاں نے بھی رفاقت اختیار کی اور اپنی جاں نثارانہ خدمات کے صلہ میں کئی دیہات نواح پرگنہ شاہ آباد (پنجاب) کا جاگیردار ہوگیا۔

چند سال کے بعد ابراہیم خاں سور کا نارنول میں انتقال ہوگیا، باپ کی وفات کی خبر سُن کر حسن خاں اپنی جاگیر سے روانہ ہو کر عمر خاں خان اعظم (جو اُس وقت شاہی لشکر کے ہمراہ تھا) کے پاس پہنچا، اور رخصت چاہی، عمر خاں نے رخصت دی اور جمال خاں سارنگ خانی سے سفارش بھی کی کہ حسن خاں کا ہر طرح خیال رکھنا، اس موثر سفارش کا یہ اثر ہوا کہ پرگنہ نارنول میں ابراہیم خاں کے دیہات حسن خاں کے نام بحال کر کے چند دیہات کا اور اضافہ کر دیا۔

حسن خاں کا ستارہ بخت عروج پر تھا، سلطان سکندر لودی ۸۹۴ھ میں اپنے باپ کی وفات پر سریر آرائے سلطنت ہوا، باربک شاہ اپنے بھائی سے ۸۹۶ھ میں ولایت جونپور واپس

[1] شروانی، افغانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے، گزیٹئر علی گڑھ کی روایت ہے کہ عمر خاں کا ایک بیٹا محمد خاں شروانی کول (علیگڑھ) میں صوبہ دار تھا، اسی کی نسل سے اطراف علی گڑھ میں آج بھی شروانی خاندان موجود ہے۔ نواب بہادر ڈاکٹر سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج، اور مسٹر تصدق احمد خاں شروانی اسی خاندان سے ہیں۔

لیکر خان اعظم ہمایوں سارنگ خانی کے حوالہ کیا' حسن خاں وفادار' اور جمال خاں قدردان تھا'
اس کا عملی ثبوت جمال خاں کی طرف سے اس طرح پر ظاہر ہوا کہ حسن خاں کو سہسرام' حاجی پور
خواص پور ٹانڈہ عنایت کر کے پانسو سواروں کا جاگیردار' شاہی سند کے ذریعہ سے مقرر کر دیا'
حسن خاں نے شاہی عطیہ سے متمتع ہو کر سہسرام میں مستقل سکونت اختیار کی۔

حسن خاں کے آٹھ بیٹے تھے' اصلی بیوی سے فرید خاں (شیر شاہ) اور نظام خاں' دوسری
بیوی سے علی اور یوسف' تیسری بیوی سے خورم خاں اور شادی خاں' چوتھی بیوی کنیز سے
سلیمان خاں اور احمد خاں' فرید خاں کی ولادت پرگنہ سہسرام اور بقول بعض
حصار میں ہوئی۔

یہ مسلّم ہے کہ سلطان بہلول لودی کے عہد سلطنت میں فرید خاں پیدا ہوا' لیکن تاریخوں
میں سن پیدایش کا پتہ نہیں چلتا' بہلول لودی کا شاہی عہد سلطنت ۸۵۵ھ ۱۴۵۰ء سے شروع ہو کر ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء
میں ۳۹ سال کے اندر ختم ہوتا ہے' چونکہ وفات کے بعد اس کی صحیح عمر بھی کسی نے نہیں لکھی' اس لئے
اس طویل مدت میں سن ولادت تلاش کرنا زمانہ حال کے مؤرخوں کے لئے سخت مشکل ہے' لیکن
فرید خاں کے زمانہ طفولیت کی اس حکایت سے اس کا سن ولادت قیاس کیا جا سکتا ہے۔

لکھا ہے کہ فرید خاں ابھی کم سن تھا کہ ایک روز اس نے اپنے باپ حسن خاں سے کہا کہ
مسند عالی عمر خاں شروانی کے پاس مجھے لے چلکر کوئی خدمت دلوا دیجئے' حسن خاں نے کہا
کہ تمہاری عمر ملازمت کے قابل نہیں ہے' تم ابھی بچے ہو' صبر کرو' خدائے پاک جس وقت تم کو
اس قابل کرے گا تو میں ضرور تم کو تمہاری لیاقت کے موافق کوئی جگہ دلوا دوں گا' فرید خاں اس
جواب سے مایوس ہو کر اپنی ماں کے پاس آیا' اپنے اور اپنے باپ کے سوال و جواب کا تذکرہ کر کے
سفارش چاہی' فرید خاں کی ماں نے حسن خاں کو مجبور کیا کہ فرید کی حوصلہ مندانہ استدعا پوری کیجائے
حسن خاں' فرید کو ساتھ لیکر عمر خاں شروانی کے پاس گیا' اور عرض کی کہ غلام زادہ ملازمت کی

۵۱ عدلی شاہ اسی کا بیٹا تھا جو سلیم شاہ کے بیٹے فیروز شاہ کو قتل کر کے خود تخت نشین ہوا ۱۲

تمنّا لیکر حاضر ہوا ہے، عمر خاں شروانی نے فرید خاں کو دیکھ کر جواب دیا کہ یہ ابھی بہت کم سن ہے جب جوان ہو گا میں ضرور اس کو جگہ دوں گا، فی الحال فرید کے لئے پرگنہ شاہ آباد (پنجاب) سے مہادلی کا مزرعہ جاگیر میں دیتا ہوں، باپ بیٹے مسرور ہو کر واپس آئے، فرید خاں نے اپنی ماں سے کہا کہ آخر آپ کی سفارش سے میں عمر خاں کے دربار میں پہنچا، اور جاگیر میں ایک مزرعہ حاصل کیا، ماں نے مرحبا کہا اور دعا دی۔

سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ سلطان بہلول لودی کے عہد سلطنت میں فرید خاں کی ولادت مسلّم ہے، اب یوں حساب لگانا چاہئے کہ مدت سلطنت سکندر لودی ابتدائے ۸۹۴ھ لغایت ۹۲۳ھ ۲۸ سال، اور مدت حکومت سلطان ابراہیم لودی ابتدائے ۹۲۳ھ لغایت ۹۳۲ھ ۸ سال، یہ کل ۳۶ سال ہوئے جس میں فرید خاں کا عاقلانہ وجود پایا جاتا ہے اس کے بعد ۹۳۲ھ سے ۹۵۲ھ تک ۲۰ سال امیرانہ اور شاہانہ حیثیت سے فرید خاں کی ہستی نمایاں رہی، اس مدت کو ۳۶ سال میں شامل کرنے سے ۵۶ سال ہوتے ہیں، مسند عالی عمر خاں کے پاس جس زمانہ میں فرید خاں اوّل مرتبہ نوکری کی آرزو لیکر پہنچا ہے اس وقت اس کی عمر دس بارہ سال سے زیادہ نہ ہو گی، اس حساب سے فرید خاں (شیر شاہ) کی کل عمر ۶۶ یا ۶۸ سال تک پہنچتی ہے، اس سے قیاس کر لینا چاہئے کہ اس کی ولادت کا سال ۸۸۴ھ یا ۸۸۶ھ ہو گا جو سلطان بہلول لودی کے تخت نشینی کا ستیسواں سال ہے۔

اسی طرح فرید خاں کی تربیتی و تعلیمی حالت پر پردہ پڑا ہوا ہے، اغلبًا فرید خاں نے باپ کے پاس فارسی ابتدائی تعلیم کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا، نہ باپ کو بظاہر اس طرف توجہ ہوئی، اس لئے کہ حسن خاں اپنی اخیر عمر میں ایک کنیز کے دام زلف کا شکار ہو چکا تھا، جس کی، اور جس کی اولاد کی محبت میں مدہوش ہو کر اس نے اپنے بڑے بیٹوں کی طرف سے توجہ ہٹالی تھی، اور سچ بھی یہ ہے کہ حسن خاں کی پیرانہ فریفتگی کی بنا پر اس وقت کنیز کا ہر معاملہ میں غالب اثر تھا، وہ فرید خاں کو ہر وقت معاندانہ و حاسدانہ نگاہ سے دیکھتی، اور حسن خاں اپنے اسیر الفت کو جھوٹی شکایات

کے ذریعہ سے اس کی طرف سے ہمیشہ بدگماں کرتی رہتی، وہ اس بات کو سمجھ چکی تھی کہ بڑا بیٹا فرید خاں ہے، اور حکومت کے قانون کی رو سے ضعیف باپ کے بعد جاگیر کا وہی وارث ہوگا، اس وقت آج کی طرح اُس کو اور اس کی اولاد کو عیش و آرام نصیب نہ ہوگا۔

فرید خاں کی ناراضی

فرید خاں اپنی سوتیلی ماں کے حاسدانہ طرزِ عمل کو غور و صبر و سکون کے ساتھ دیکھتا رہا، اور ایک لائق بیٹے کی طرح باپ کا فرمانبردار بنا رہا، جب باپ کی ناانصافی یہاں تک پہنچی کہ تقاسمۂ جاگیر کے وقت اُس کو بالکل محروم کر دیا، اور دوسرے بھائیوں کو کم و بیش حصہ ملا، اُس وقت بھی بپاسِ ادب زبان سے کچھ نہ کہا، اور سیدھا جونپور چلا گیا، جہاں اُس وقت سلطان سکندر لودی کی طرف سے اُس کے باپ کا محسن جمال خاں سارنگ خانی صوبہ دار تھا، اُس نے فرید خاں کو آغوشِ محبت میں لیا اور ہر طرح اُس کی خبرگیری کرتا رہا، لیکن علامہ ابوالفضل اپنی عادت کے موافق فرید خاں پر اس طرح نشتر مارتا ہے۔

فرید پسر او (یعنے پسر حسن خاں) از زیادہ سری دبد نہادی

پدرِ خود را رنجانیدہ جدا شد (اکبر نامہ)

حسن خاں کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو وہ سخت رنجیدہ خاطر ہوئے، اور حسن خاں کے پاس پہونچکر اس کی سرد مہری، بے اعتنائی، اور کنیز کی فتنہ پردازیوں پر مخلصانہ نکتہ چینی کرتے ہوئے سمجھایا کہ فرید خاں ایک جوہر قابل ہے اُس کو ناراض کرنا، کنیز اور کنیز زادوں کو سر چڑھانا افغانی شرافت کے خلاف ہے، جس کا نتیجہ عالم ضعیفی میں تمہارے لئے تکلیف دہ ہوگا،

پیری رسید و مستیِ طبع جواں گذشت

ضعفِ تن از تحملِ رطلِ گراں گذشت

عزیزوں کی طعن آمیز مگر خیر خواہانہ گفتگو کا یہ اثر ہوا، کہ حسن خاں نے اپنے آقا جمال خاں کو عریضہ لکھا کہ فرید ناراض ہو کر چلا گیا ہے، تعلیم خام رہ جائے گی، اُسے سمجھا کر روانہ کر دیجئے، جمال خاں

نے فرید خاں کو بلا کر حسن خاں کا خط دکھلایا، اور باپ کے پاس جانے کی اُسے فہمائش کی، مگر فرید واپسی پر رضامند نہ ہوا، وہ جانتا تھا کہ باپ کے دل اور اس کے مال و جاگیر پر سوتیلی ماں کی حکومت ہے، اگر باپ کے پاس پہونچا تو ایک طرف آزادانہ زندگی میں فرق آئے گا، اور دوسری طرف نامہربان ماں کے طعن و تشنیع کا ہدف بننا پڑے گا۔

سلسلۂ تعلیم جونپور اُس زمانہ میں دار العلوم تھا، علوم و فنون کے تذکروں نے فرید خاں کو بھی تحصیل علم کی طرف راغب کیا، فارسی میں گلستاں، بوستاں، اور سکندر نامہ تک درسی کتابیں پڑھیں، قاضی شہاب الدین مشہور عالم و فاضل سے عربی صرف و نحو کی تکمیل کی، اس سے آگے دیگر متفرق علوم میں بھی کافی مہارت پیدا کی، تاریخی و اخلاقی کتابوں کا عمیق نظر سے مطالعہ کرتا رہا گلستاں و بوستاں کی اکثر حکایتیں اُسے ازبر تھیں، لہو و لعب، عامیانہ مذاق اور بُری صحبتوں سے اُسے ہمیشہ اجتناب رہا جب تک وہ جونپور میں رہا گو کتب بینی اور تحصیل علوم اس کا خاص مشغلہ تھا، تاہم آبائی فنون سپہ گری کی تحصیل سے بھی غافل نہیں رہا، جونپور میں اُس وقت افغانان سور کی کافی جمعیت تھی، اُن میں سے بعض افغان معزز عہدوں پر بھی ممتاز تھے، جن سے فرید خاں کی راہ و رسم برادرانہ تھی، وہ لوگ فرید خاں کی ذہانت، تہذیب، اور خوش اخلاقی سے بیحد خوش تھے۔

تقریباً تین سال کے بعد حسن خاں سور اپنے قدیم آقا جمال خاں سے ملنے جونپور آیا، افغانان سور نے قرابت اور دوستی کی بنا پر اُسے سمجھایا کہ فرید خاں جیسے ہنرمند بیٹے کو کنیزوں کی اولاد کے مقابلہ میں حقیر سمجھ کر رنجیدہ خاطر کرنا، اور اس کی طرف سے غافل رہنا دانائی و پدری شفقت سے بعید، اور قوم کی نگاہوں میں موجب ندامت و رسوائی بھی ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کو تسلی دیکر اور ساتھ لے جا کر جاگیر کے کام پر لگایا جائے جس کا وہ ہر طرح اہل ہے، حسن خاں کو نادم اور رضامند پاکر چند افغان فرید خاں کے پاس گئے اور اسکو ساتھ لاکر باپ کے قدموں پر گرادیا، دونوں دلوں کے غبار آنسو بنکر آنکھوں سے نکل گئے،

باپ کی جاگیر پر فرید خاں کا تقرر اور اُس کا انتظام فرید خاں، باپ سے انتظامی معاملات میں عدم مداخلت کا عہد لیکر جاگیر کا کام سنبھالنے پر مستعد ہوگیا، جونپور کے سلسلہ تعلیمی پر لحاظ کرنے

سے قیاس ہوتا ہے کہ اس وقت اسکی عمر تقریباً پچیس ۲۵ سال کی ہوگی، لیکن عقل کی پختگی، علمی و اخلاقی معلومات کی وسعت، اور عالمانہ فرائض شناسی کا اندازہ صرف ذیل کے اُن خیالات سے ہوسکتا ہے۔ جو اس نے جاگیر پر روانہ ہونے سے قبل باپ کے سامنے ظاہر کئے تھے،

فرید خاں نے اپنے باپ حسن خاں سے عرض کی کہ جاگیر کے دیہات میں اہلکار و سپاہی اکثر عزیز و اقارب ہیں، جو ملازم بھی ہیں اور جاگیردار بھی، میں ہر ایک سے عدالتانہ محاسبہ کرونگا قصور پر بغیر تفریق سیاست کے اُن کی رستگاری محال ہوگی، ایسے مواقع پر آپ کی سفارش بھی غیر موثر ہوگی یہ کہکر اس نے عدالت، اور سیاست پر ایک عالمانہ اور حکیمانہ تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

زرعی آمدنی کی توفیر، رعایا کی خوشحالی، اور امن و اماں کی ترقی، قانون عدل اور سیاست کے بغیر ناممکن ہے، حکماء کا زرین قول ہے کہ انسانی خصائل میں عدل بہترین خصلت ہے، اگر اس سے سلاطین اور ان کے عمال نے حکومت کے سلسلہ میں کام لیا تو لازمی طور پر نتیجہ استحکام اور بقائے ملک و دولت ہے، اس کے خلاف ظلم بدترین عادت ہے، جس کے اختیار کرنے سے نتیجہ تباہی ملک، بربادی رعایا، اور زوال سلطنت ہے، اسی طرح سیاست بھی اعلیٰ ترین جوہر ہے، اور بغیر سیاست کے عدل کی تکمیل نہیں ہوسکتی، لیکن عدل و سیاست کے وقت مسلمان حکام کو قوانین شریعت کے مرکز سے باہر نہ ہونا چاہئے، جس سے دین و دنیا کے تمام امور وابستہ ہیں، آرام طلبی، عشرت پسندی، اور امارت پرستی، امراء کو رعیت کے حالات سے غافل کرنے کا ذریعہ ہیں، ان سے ہمیشہ بچنا چاہئے۔

ماتحت اہلکار و رعایا ہر آئینہ واجبی مراعات کے مستحق ہیں، ساتھ ہی خیانت اور مظالم وغیرہ جرائم اختیار کرنے پر اسی طرح سخت سیاست کے بھی متوجب ہیں۔

میں جاگیر پر پہونچکر ماتحت اشخاص کو اول اُن کے حقیقی فرائض سے آگاہ کردوں گا، اگر انہوں نے نیک نیتی کے ساتھ اپنی متعلقہ خدمات کو انجام دیا تو اضافۂ تنخواہ اور انعام وغیرہ سے اُن کو خوش کروں گا، خلاف ورزی کی صورت میں ان کو ایسی سخت ترین سزا دی جائے گی جس سے دوسروں کو عبرت ہو۔

حسن خاں نے بیٹے کو اُس کی عاقلانہ تقریر پر مرحبا کہکر رخصت کیا، جاگیر کے صدر مقام پر پہونچکر فرید خاں نے پٹواریوں، مقدموں، کاشتکاروں، اور عام ملازموں کو طلب کرکے دربار عام کیا ہر ایک جماعت کو علٰحدہ علٰحدہ اپنے سامنے بلاکر دلجوئی کی، اُن کو ان کے فرائض سمجھائے، زمین کی آبادی پر زور دیا اور کہا کہ آمدنی میں جس قدر بیشی ہوگی اسی قدر رعایا مطمئن اور آسودہ حال ہوگی جاگیردار کو بھی اسی مناسبت سے فائدہ ہوگا، محصلوں، شقہ داروں، اور زمینداروں سے کہا کہ رعیت کے مقامی نگراں تم لوگ ہو، سختیوں، اور محصول کی زیادتیوں سے کاشتکار ہمیشہ نالاں رہیں گے، یہ ایسے سنگین جرایم ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے سے دیہات کی ویرانی لازمی ہے، میں نے ہر ایک کے متعلقہ کاموں کا ایک معیار مقرر کردیا ہے، جو رعایا اور ملازموں کی رہبری کے لئے کافی ہے جس نے نیک نیتی سے اس پر عمل کیا وہ محبوب اور سزاوار تحسین ہوگا، اور جس نے اس کے خلاف کیا وہ معتوب وقابل نفرین ہوگا۔

اس کے بعد مالگذاری کے تحصیل کا طریقہ سمجھایا، جریب کشوں اور محصلوں کی اُجرت معین کی رعایا پر جو غیر واجبی ابواب قائم تھے اُن کو موقوف کیا۔

جب کچھ دنوں کے بعد ان ضروری ہدایات و انتظامات سے فرصت ملی تو شقہ داروں سے مشورہ کیا کہ بعض دیہات کے جن زمینداروں نے طریقۂ سرکشی اختیار کر رکھا ہے کہ وہ نہ تو مالگذاری ادا کرتے ہیں نہ طلبی پر حکام کے پاس حاضر ہوتے ہیں، نہ غارتگری وسفاکی سے توبہ کرتے ہیں اُن کے معاملہ میں کیا رائے ہے، افسروں نے عرض کی کہ آپ کے والد حسن خاں کے ہمراہ پورا لشکر ہے جو عنقریب دربار شاہی سے واپس آنے والا ہے، اُس وقت تک صبر کیجئے، فوج کے آنے پر انتظام ممکن ہے، فرید خاں نے اس تجویز کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ میں ایک دن بھی صبر نہیں کرسکتا مخلوق خدا جن کے مظالم سے تنگ ہے اُن کا استیصال تمام کاموں سے مقدم سمجھنا میرے فرائض میں سے اولین فرض ہے، تم لوگ دیکھوگے کہ میں کن تدابیر سے اُن کو جلد تر مغلوب کرتا ہوں۔

یہ کہکر افسروں سے کہا کہ دو سو زین گھوڑوں کے تیار کرائے جائیں، اور جا بجا دیہات جاگیر

میں اعلان کرکے دو سو گھوڑے مستعار حاصل کئے جائیں، رعایا کے دلوں میں فرید خاں کی ہمدردی کا عمیق اثر ہوچکا تھا نہایت جوش اور مسرت کے ساتھ رعایا نے گھوڑے پیش کرکے مالی امداد پر بھی آمادگی ظاہر کی، جب زین اور گھوڑوں کی طرف سے اطمینان ہوچکا تو اُن افغانوں اور خیل داروں کو جمع کیا جو بے جاگیر تھے، اور ان سے کہاکہ میں فی الحال تم میں سے ہرایک کو خوراک اور لباس ضروری دوں گا، لڑائی میں جو کچھ بھی مال غنیمت ہاتھ آئے وہ سب تم لوگوں کا حق ہوگا، اس کے علاوہ جن بہادروں نے اعلیٰ کارگزاری دکھلائی اُن کو اپنے باپ سے معقول جاگیر دلاکر خوش اور دوسروں کو انعام وخلعتوں سے مالامال کردوں گا۔ یہ سُنکر تمام افغان جان نثاری کے لئے ہمہ تن مستعد ہوگئے۔

اس کے بعد فرید خاں نے سواروں کے متعدد دستے بنائے اور ہر دستے پر انھی افغانی سواروں میں سے ایک منتخب شخص کو افسر مقرر کرکے سرکشوں کے دیہات میں روانہ کیا، سواروں نے پہونچکر دارو گیر شروع کی، متمردین مقابلہ کی تاب نہ لاکر پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے، سواروں نے میدان خالی پاکر مال، مویشی اور مفرورین کی عورتوں، بچّوں کو گرفتار کیا، اور فرید خاں کے پاس حاضر لائے، فرید خاں نے اُن کو محفوظ رکھکر اعلان کرا دیا کہ تمام مفرورین زمیندار وں کو فوراً حاضر ہوکر مالگذاری ادا کرنی چاہئے، آیندہ ان کو اس معاہدہ کے ساتھ اُن کے دیہات میں آباد وسکونت کے لئے اجازت دی جائے گی کہ سرکشی ونافرمانی سے باز آکر غریب کاشتکاروں کی جانی ومالی حفاظت کا ذمہ لیں، اور اس بات کی ضمانت دیں کہ حاصل زمین دونوں فصلوں پر ادا کرتے رہیں گے، اگر اُنھوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ایک معینہ مدت تک انتظار کرنے کے بعد ان کے مال، مویشی، جورو بچّوں کو سربازار فروخت کرکے مالگذاری بیباق کرلی جائے گی۔

اس حکمت عملی کا یہ اثر ہوا کہ تمام زمیندار واپس آگئے، گزشتہ جرائم سے توبہ کی، محاصل ادا کیا، اور آیندہ کے لئے معتبر ضمانت سے اطمینان دلاکر خود بھی بے فکر ہوئے اور اپنے اہل وعیال، مال ومواشی کو بھی آزاد کرالے گئے۔

جن بعض دیہات کے زمینداروں نے رہزنی اور غارتگری کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا، ان پر ابتدائی اعلان و فہمائش کا کوئی اثر نہیں ہوا، مجبور ہو کر فرید خاں نے یہ تدبیر کی کہ سوار و کاوسننہ لیکر وہ خود روانہ ہوا، جس گاؤں کا پہلے انتظام کرنا مقصود تھا، اس کے ملحقہ دیہات سے آدمیوں اور گھوڑوں کو طلب کیا، اور یہ ہدایت کر دی کہ گاؤں کے آدھے آدمی زراعت اور مال کی حفاظت کی غرض سے وہیں رہیں، باقی نصف آدمی اعانت کے لئے حاضر ہوں، حکم کی تعمیل ہوئی، اور ایک کثیر جماعت اس ترکیب سے جمع ہو گئی، اب فرید خاں نے منزل مقصود کی طرف حرکت کی، گاؤں کے سامنے پہونچکر حفاظت کے لئے قلعۂ خام کی تعمیر شروع کی، جب ادھر سے اطمینان ہو گیا تو حکم دیا کہ کلہاڑیوں سے جھاڑی جنگل چاروں طرف کا صاف کیا جائے تاکہ بدمعاشوں کے لئے پناہ کی جگہ باقی نہ رہے، اسی طرح باقی دوسرے دیہات کو صاف کرایا، بدمعاشوں کے بال بچوں کو اسیر کیا، مال ضبطی میں آیا، اب سرکشوں کی آنکھیں کھلیں تو کسی طرح پناہ و قرار کی جگہ نہ پائی، عاجز و مجبور ہو کر معافی قصور کا پیغام بھیجا، فرید خاں نے پیغام آوروں سے کہدیا کہ میں صلح نہیں چاہتا، اُن کو اپنی طاقت پر غرور ہے، لہذا اُن کو لڑائی پر آمادہ رہنا چاہئے، خدا جسے فتح دے وہ غالب ہے، میں نے عہد کر لیا ہے کہ تم لوگوں کی مغرورانہ اور جابرانہ قوت کو پاش پاش کر کے یہاں سے واپس ہوں گا، تاکہ مخلوق خدا تمہاری غارتگری اور مظالم سے ہمیشہ کے لئے مامون و محفوظ رہکر امن و امان کی زندگی بسر کرے، اور میں مواخذہ خدا وندی سے سبکدوش رہوں،

میں نے تم لوگوں کو اول ہی موقعہ دیا تھا جس کی تم نے قدر نہ کی، اب وقت نکل گیا میں تیار ہوں تم لوگ بھی اپنا حوصلہ نکال لو، فرید خاں گو دل سے مصالحت کا خواہشمند تھا، مگر اُن پر اپنی طاقت و سیاست کا کامل رُعب قائم کرنا چاہتا تھا، تاکہ آیندہ اُن کو سر اُٹھانے کا موقعہ نہ رہے،

دوسرے روز اُن پر یلغار کی، بعضوں نے مقابلہ کیا، اور وہ قتل ہوئے، بعض گرفتار ہوئے

جو لوگ بچے مجبور ہو کر اُنہوں نے دل سے توبہ کی اور آئندہ کے لئے قابل اطمینان ضمانت دیکر اپنے دیہات میں آباد ہوئے، اور تمام جرائم و ذمائم سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو کر زراعت کی طرف متوجہ ہو گئے، جو کچھ مالگذاری اُن پر باقی تھی وہ بھی ادا کی، اس کے بعد فرید خاں نے اُن پر اور تمام رعیت پر اس قدر مراعات و مہربانیاں کیں کہ تمام علاقہ اُس پر پروانہ کی طرح نثار تھا، اس حُسن تدبیر نے امن و آسایش کا دروازہ کھول کر چند مدت میں علاقہ کو اس قدر آباد، و زرخیز کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی ویسی نظیر نہیں ملتی!

تمام ولایت بہار میں فرید خاں کی قوت نظم اور آئین کی دھوم مچ گئی، فرید خاں کے باپ نے حالات سُنے تو وہ خود جاگیر کے دیہات میں پہونچا، دورہ کیا، علاقہ کو آباد، اور رعایا کو خوشحال دیکھکر بیٹے سے بہت خوش ہوا، جہاں اور جس مجلس میں جاتا، بیٹے کی تعریف و توصیف کرتا، لوگ سُنکر مسرور ہوتے، اور حسن خاں کو مبارکباد دیتے، یہ حالات دیکھ اور سُنکر سلیمان اور اس کی ماں (فرید خاں کے سوتیلے بھائی اور ماں) آتش حسد میں جل کر کباب ہو رہے تھے، اب ان کی حاسدانہ عداوت کو مزید ترقی ہوئی، فرید خاں پر طرح طرح کے الزامات لگائے جانے لگے، لیکن حسن خاں خود فرید کی طرف سے صفائی پیش کرتا، اور سمجھاتا کہ وہ تمہارا خیر خواہ ہے، رعیت کا ہمدرد ہے، اطاعت شعار ہے، ان تمام اوصاف کے باوجود تمہاری شکایت نامناسب، اور فرید کی دل شکنی کا سبب ہے۔ عیّار بیوی کا فریفتہ خاوند پر جادو نہ چل سکا تو رفتہ رفتہ اختلاط کم کر دیا، کج ادائیاں شروع کیں، حسن خاں اپنی جوان معشوقہ کے غیر متوقع کشش کو برداشت نہ کر سکا، اور پوچھا کہ آخر کشیدگی و بے توجہی کا سبب کیا ہے، کنیز بیوی نے جواب دیا کہ فرید خاں نے جتنے دنوں جاگیر پر حکومت کی ہے اُتنے ہی روز سلیمان کا حق ہے کہ وہ کام کرے، فرید بڑا بیٹا ہے وہ تیرے بعد تیرا جانشین ہوگا، اور وہ میرا اور میری اولاد کا دشمن ہے، دانائی اس میں ہے کہ تو میرے بچّوں کا اپنی زندگی میں مناسب انتظام کر جا، تاکہ بعد میں کسی قسم کی باہم نزاع نہ ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو میں تیرے سامنے اپنے بچّوں کو ہلاک کر کے خود بھی جان دیدوں گی، کنیز کی عیّارانہ شیوہ بیانی سے حسن خاں اسیر محبت کی رہی سہی عقل بھی رخصت

ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرید خاں کو جاگیر سے علیحدہ کرنے کا مصمم ارادہ کرتے ہوئے حسن خاں نے حلف بھی ادا کر لیا۔

ہر کجا سلطانِ عشق آمد نماند   قوتِ بازوئے تقویٰ را محل

اب فرید خاں کی فروگذاشتوں اور قصوروں کی تجسس شروع کی، مگر آنرا کہ حساب پاک ست از محاسبہ چہ باک

فرید خاں کو معلوم ہوگیا کہ حسن خاں اپنے چھوٹے بیٹوں سلیمان اور احمد کو جاگیر حوالہ کرنے پر آمادہ ہے، اور میری علیحدگی کے لئے اسباب کی تلاش ہے، اس لئے اس نے خود ہی جاگیر سے کنارہ کش ہوکر باپ کو لکھا کہ جب تک آپ کی پدرانہ شفقت مبذول حال رہی میں نے خدمت انجام دی، اب جبکہ میں اس سے محروم ہوکر معتوبوں میں شامل ہوگیا، تو اس صورت میں میرا جاگیر پر قیام کرنا آپ کو رنجیدہ کرنے کا مرادف ہے، میں نے کام سے ہاتھ اٹھا لیا ہے، جس کو آپ چاہیں شقہ داری کی خدمت حوالہ کریں، اس کے ساتھ ہی باپ کو تحقیقات کرنے کا ایک مفصل ضابطہ مرتب کرکے بھیجا جس میں تحقیقاتی اصول درج تھے۔

حسن خاں نے جواب میں لکھا کہ مجھکو تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے، اگر تو نے کچھ تصرف بھی کیا ہو تو وہ تیرا حق ہے، میں تجھ کو اپنی تمام اولاد میں بلکہ خاندان میں قابل ترین ہستی سمجھتا ہوں، اور دل سے نہیں چاہتا کہ تجھے کام سے ہٹاؤں، مگر تیری سوتیلی ماں نے میری زندگی تلخ، اور کھانا پینا حرام کر رکھا ہے، جانتا ہوں کہ سلیمان، احمد سے جاگیر کا کام نہیں چلے گا، اور جو کچھ تو نے اپنی فراست سے ترقی دی ہے، ان دونوں کی مداخلت سے زوال پذیر ہوگی، لیکن مجبوراً چند روز کے لئے ان کو دونوں پرگنات کی حکومت سپرد کرتا ہوں کہ اس بہانہ سے مجھے چندے آرام نصیب ہو۔

عزیزوں نے اس عزل و نصب کا حال سنا تو حسن خاں کے پاس پہنچے، اور اس کو سمجھایا کہ فرید جیسے کارگذار بیٹے کو ایسے نازک موقعہ پر کہ سلطان ابراہیم لودی کی حکومت میں خلل پڑ رہا ہے جاگیر سے علیحدہ کرنا سخت ناعاقبت اندیشی ہے، حسن خاں نے جواب دیا کہ میں سب کچھ سمجھتا ہوں اور فرید مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہے، مگر مجبور ہوں کہ سلیمان کی ماں نے مجھے اس ضعیفی میں تنگ

کر رکھا ہے، اپنے آرام کے لئے اس کی دیکھ بھال بھی ضروری سمجھتا ہوں، مگر آپ لوگ اخیر میں دیکھیں گے کہ میرا جانشین فرید ہی ہوگا، کہ جو آج اپنے ہم عمروں میں فرد ہے، سمجھانے والے اعزا و احباب ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔

دوسرا باب

سفر اور سلسلۂ ملازمت

فرید خاں اپنے باپ کے طرزِ عمل سے کشیدہ خاطر ہو کر آگرہ پہونچا، یہ زمانہ سلطان ابراہیم لودی کی شاہانہ فرمانروائی کا تھا، لیکن سلطنت کی بنیاد اس کی سختیوں اور متکبرانہ طرزِ حکومت سے کمزور ہو چکی تھی، اکثر صوبہ دار خود مختارانہ لباس میں جلوہ گر تھے، خیر سگالان شاہی کی بھی کمی نہ تھی، مقتدر اور منظورِ نظر وفاداران ابراہیمی سے ایک سردار دولت خاں[1] لودی بھی تھا، جو اس وقت یعنی سنہ ۹۲۵ھ میں آگرہ کا صوبہ دار، اور بارہ ہزار سواروں کا جاگیردار بھی تھا، فرید خاں نے اس سے رسائی پیدا کی، حاضر باشی اور رفاقت اس کی یہاں تک کی کہ وہ فرید کا ممنون ہو کر چاہتا تھا کہ کاش فرید مجھ سے کوئی خدمت لے، لیکن اس غیور جوانمرد نے عرصہ تک اپنا مدعا ظاہر نہیں کیا اور سیر چشمی کے ساتھ برابر اعتبار جماتا رہا، جب دولت خاں کی طرف سے مخلصانہ اصرار کا بار بار اظہار ہوا تو ایک روز فرید خاں نے موقعہ پا کر اپنے باپ کی بے اعتنائیوں اور پرگنات جاگیر کی حکومت سے اپنی معزولی کی مفصل داستان سنا کر استدعا کی، کہ اگر پرگنات کی حکومت میرے نام بدستور بحال ہو جائے تو شاہی خدمت گذاری کیلئے میں پانسو سواروں سے حاضر ہوں، دولت خاں نے وعدہ کیا اور کسی موقعہ پر اس نے سلطان ابراہیم سے سفارش بھی کی، جس کا جواب سلطان نے یہ دیا کہ جو بیٹا

---

[1] یہ وہی دولت خاں لودی ہے کہ پنجاب کی صوبہ داری کے زمانہ میں اس نے اور اس کے بیٹے غازی خاں نے سلطان ابراہیم لودی کے مقابلہ میں علم مخالفت بلند کیا۔ اور خود کابل پہونچکر سلطان بابر کو ہندوستان لایا ۱۲

باپ کا شاکی ہو وہ کب عزت افزائی کے قابل ہو سکتا ہے' دولت خاں نے اُس وقت اصرار مناسب نہ سمجھا' اور آیندہ دوسرے موقعہ کا منتظر رہکر اپنے رفیق جان نثار فرید کو مطمئن کرتا رہا'

حسن خاں کی وفات اور جاگیر کا فرید خاں کی طرف منتقل ہونا کچھ عرصہ کے بعد فرید کے باپ حسن خاں نے قید دنیا سے ہمیشہ کے لئے آزادی حاصل کی' سہسرام مسکن تھا' وہی مدفن بھی بنا' جہاں تیسرے روز فاتحہ خوانی کے بعد سلیمان خاں نے خاندانی رسم کے مطابق باپ کی پگڑی جانشینی کے ثبوت میں اپنے سر پر رکھی' نظام خاں (فرید خاں کا حقیقی چھوٹا بھائی) عین وقت پر جلسہ میں پہونچا' اور سلیمان کے سر سے پگڑی اُتار کر کہا کہ بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے نہ مجھ کو جانشینی کا حق حاصل ہے نہ تجھ کو' نہ خاندانی دستور تیرے عمل کی حمایت کرتا ہے' نہ قانون وراثت' اس سے عداوت کی آگ ایسی مشتعل ہوگی کہ کل خاندان کو جلا کر خاک سیاہ کر دے گی' بہتر یہ ہے کہ باپ نے جو حصص بھائیوں کے قائم کر دیے ہیں اس پر ہم سب کو قناعت کرنی چاہیے' باقی رہا حق ریاست وہ فرید خاں بڑے بھائی کا ہے' سلیمان نے سمجھ کر اقرار کیا اور کہا کہ اگر فرید خاں نے بزرگانہ عنایت کی تو میں بھی فرمانبرداری سے باہر نہ ہوں گا' اس قضیہ کے فرو ہونے کے بعد نظام خاں نے فرید خاں کو تمام حالات سے اطلاع دی' فرید خاں نے بھائی کے خط کو دولت خاں کے سامنے پیش کیا' دولت خاں کو پھر وجہ تحریک ہاتھ آئی' سلطان ابراہیم لودی کی خدمت میں پہونچا' اور عرض حال کر کے دونوں پرگنات کی سند جاگیر فرید خاں کے نام لکھوا کر حوالہ کی' فرید خاں وہاں سے رخصت ہو کر سہسرام پہونچا' اور جاگیر پر اپنا اقتدار جمایا' اعزا و احباب نے مبارک باد دی' فرید خاں نے ہر ایک کا شکریہ ادا کیا'

سلیمان کا محمد خاں سور کی پناہ میں جانا سلیمان' اور اس کے دوسرے بھائی مغموم و مایوس ہو کر محمد خاں سوری شاہ خیل کے پاس چلے گئے' محمد خاں اُس وقت سوری افغانوں کا سر خیل' اور پانسو سواروں کا معزز جاگیردار تھا' چونکہ فرید خاں کے باپ حسن خاں سے برادری کے آن بان کے سلسلہ میں اُس کو دلی رنج تھا' اس لئے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سلیمان کو چھاتی سے لگایا'

ظاہر میں اُسے تسلی دیتا رہا، اور باطناً اس فکر میں رہا کہ بھائیوں کو باہم لڑا کر ان کی خاندانی قوت کو کمزور کر دے، تاکہ آیندہ وہ سب کے سب اُس کے دست نگر اور زیر اثر رہیں۔

سلیمان خاں مصر تھا کہ پرگنات جاگیر پر جلد میرا قبضہ کرا دیا جائے، محمد خاں سور جنگ و جدال کو اس وقت ملکی مصالح کے خلاف اس لئے سمجھتا تھا کہ لودی سلطنت کے زوال کا نقشہ سامنے تھا، سلاطین بہلول اور سکندر کے زمانے کے امرا تخت گاہ دہلی سے نکلکر اپنے اپنے مرکز حکومت پر روانہ ہو چکے تھے، اور کابل کی طرف سے سلطان ظہیر الدین بابر کی آمد کی خبر گرم تھی!

محمد خاں سور کی مداخلت

ان اسباب کو زیر نظر رکھتے ہوئے محمد خاں سور نے نرمی اور ملاطفت کے ساتھ فرید خاں کو پیغام دیا کہ میں حسن خاں سور کی اولاد کا خیر طلب ہوں، سلیمان تمہارا بھائی تمہاری امارت سے افسردہ خاطر ہو کر عرصے سے میری پناہ میں آگیا ہے اگر تم میری ثالثی کو قبول کرو تو میں پرگنات جاگیر کا تقاسمہ اس خوبصورتی کے ساتھ کر دوں کہ آیندہ بھائیوں میں کسی قسم کی نزاع باقی نہ رہے!

فرید خاں گو اس وقت جہاندیدہ نہ تھا، لیکن اُس کی فطری ذہانت و فراست نے اس کو تجربہ کار اور انجام بین ہستی کا ایک وسیع النظر انسان بنا دیا تھا، وہ محمد خاں کے دام میں کب آنے والا تھا، جواب میں محمد خاں کی بزرگانہ مہربانیوں اور نیک خیالیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہلا بھیجا کہ موجودہ شورش اور انتشار کے زمانہ میں اپنا مستقر چھوڑ کر یہاں آپ کا آنا مصلحت کے بالکل منافی ہے، اپنے چھوٹے بھائی نظام خاں کو بھیجتا ہوں، آپ کا فرض ہے کہ سلیمان و احمد کو سمجھا کر اُس کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دیجیے، آپ کے خیال کے مطابق اُن کے ساتھ نیک سلوک کرونگا میں نے خود اُن کو یہاں سے نہیں نکالا، نہ اُن کی والدہ کی بیحرمتی کی، نہ آیندہ ایسے گستاخانہ افعال کے ارتکاب کا خیال ہے، وہ سب کے سب متروکہ پدری میں حصہ دار ہیں، لیکن آپ کی یا سلیمان کی اگر یہ آرزو ہو کہ پرگنات کی حکومت میں بھی برابر کا حصہ دیا جائے تو یہ شرکت ناممکن ہے!

ده درویش در گلیمے بخسپند و دو پادشاه در اقلیمے نگنجند

محمد خاں سرخیل نے فرید خاں کا جواب سنکر سلیمان سے کہا کہ تمہارا بھائی آسانی کے ساتھ تم لوگوں کو حصہ نہیں دے گا، چند روز اور صبر کرو، میں فوجی طاقت کے ذریعہ سے تمہاری خاطر خواہ اعانت کروں گا،

فرید خاں کو محمد خاں کے خیالات معلوم ہوئے تو اس نے بھی چاہا کہ کسی زبردست طاقت کا وسیلہ حاصل کرے، چاروں طرف نگاہ دوڑا کر بہادر خاں ابن دریا خاں لوحانی[1] حاکم بہار کو انتخاب کیا، ابھی اس خیال کی تکمیل نہ ہونے پائی تھی کہ سلطان بابر ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں پنجاب سے گذر کر پانی پت کے وسیع میدان میں صف آرا ہوا، ادھر سے سلطان ابراہیم لودی نے پوری قوت کے ساتھ پیشقدمی کی، افغانوں اور مغلوں نے ہنرمندی کے ساتھ اپنی اپنی قوتوں کی نمائش میں سرگرمی دکھلائی، نتیجہ میں بابر کامیاب اور ابراہیم لودی ناکام ہو کر قتل ہوا، اس طرح ہندوستان کی ۳۵۰ سال افغانی سلطنت ختم ہو کر تیموریہ خاندان کی طرف منتقل ہو گئی۔

فرید خاں کا والی بہار کے پاس جانا

بہادر خاں والی بہار اپنے باپ دریا خاں لوحانی کے بعد سلطان لودی کی طرف سے بہار کا صوبہ دار تھا، اس کے باپ دریا خاں کو سلطان سکندر لودی نے ۹۰۰ھ میں بہار کی حکومت دی تھی، مسلسل ۳۰ سالہ حکومت کے اثر سے ملک بہار بہادر خاں کی مٹھی میں تھا، سلطنت ہند کے تغیر و تبدل سے فائدہ اٹھا کر ۹۳۲ھ میں بہادر خاں نے سلطان محمد کے لقب سے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا، جس کو بہاریوں نے خوشی کے ساتھ منظور و تسلیم بھی کیا، اور سکہ و خطبہ بھی اس کے نام کا ولایت بہار میں جاری ہو گیا۔

فرید خاں کے لئے یہ موقع مناسب ہاتھ آیا، سہسرام سے روانہ ہو کر بہار پہونچا، سلطان محمد خاں کے دربار میں رسائی حاصل کی، جس نے اسے اپنی مصاحبت میں داخل کیا، اور چند روز

۱؎ لوحانی افغانی قبیلہ ہے، جو اصل میں نوحانی ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام کے نام سے منسوب ہے ۱۲

میں وہ سلطان کا معتمد علیہ ہو گیا۔

خطاب شیر خانی

اسی تقرب کے زمانہ میں ایک روز فرید خاں سلطان کے ہمراہ شکار کو گیا، اتفاق سے ایک شیر پر فرید کی نگاہ پڑی، پینترہ بدل کر فوراً شیر کے مقابل ہوا، شیر نے فرید پر حملہ کیا، اس نے چالاکی سے اس کا وار خالی دے کر تلوار ماری، شیر دو ٹکڑے ہو کر نیچے گرا، چاروں طرف سے مرحبا آفریں کی صدائیں بلند ہوئیں، سلطان محمدؐ نے جوش مسرت میں اسے اپنے سینہ سے لپٹا لیا، انعام واکرام کے علاوہ **شیر خان** کے خطاب سے بھی معزز کیا، اور یہ خطاب اس قدر مقبول و معروف ہوا، کہ عوام و خواص اُسے اسی خطاب سے ہمیشہ مخاطب کرتے رہے، ہم بھی آیندہ اپنے (اسی) خطاب سے یاد کریں گے۔

اس غیر متوقع بہادری نے شیر خاں کی شہرت پر اور چار چاند لگا دیے، شاہی اعتماد نے یہاں تک ترقی کی کہ سلطان نے اپنے ولیعہد جلال خاں کا اُسے نائب مقرر کر دیا، شیر خاں عرصہ تک ولیعہد کی نیابت میں مہمات ملکی انجام دیتا رہا، پھر رخصت لیکر اپنے وطن آیا، جہاں ایّام رخصت سے زیادہ اس نے ضرورتاً قیام کیا، زمانہ پُر آشوب تھا، سلطان محمد بار بار شیر خاں کو یاد کرتا تھا، اس خیال سے کہ ایسا وفادار دوست کہیں دوسری جگہ تعلق پیدا نہ کرے۔

محمد خاں سور کا والی بہار کے پاس جانا

اسی زمانہ میں محمد خاں سرخیل، سلطان محمدؐ کی خدمت میں پہونچا، سوری خاندان کے تعلق کی بنا پر سلطان نے اس سے بھی شیر خاں کی عدم حاضری کی شکایت کی، محمد خاں، سلیمان کے معاملہ میں اس سے کشیدہ تھا، جواب میں کہا کہ شیر خاں زمانہ شناس و ہوا پرست ہے، اصل وجہ اس کی غیر حاضری کی یہ ہے، کہ سلطان سکندر لودی کے بیٹے سلطان محمود کا اُسے انتظار ہے، جس کی طرف اکثر امرا مائل ہیں، اور ان کی اعانت سے وہ تخت دہلی حاصل کرنے کا آرزومند ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے باپ کے دونوں پرگنات جاگیر پر قبضہ کر کے دوسرے بھائیوں کو محروم کر دیا ہے، جن کی طرف سے اُسے کھٹکا ہے، اور وہ جاگیرات کے استحکام میں مصروف بھی ہے، اس کا ایک بھائی سلیمان داخواہ

حیثیت سے میرے ہمراہ ہے، اگر اُسے سند جاگیر عطا ہو جائے تو شیر خاں فوراً حاضر خدمت ہو کر اپنی غیر حاضری کی تلافی کرے گا، سلطان نے سنکر جواب میں کہا کہ شیر خاں معتمد علیہ سردار ہے، صرف معمولی غیر حاضری میں جاگیر کا تغیر غیر مناسب ہے، البتہ اس بنا پر کہ تو قبیلہ سور کا سرخیل، اور اپنی قوم میں معزز و معتمد ہے، یہ اختیار دیتا ہوں کہ موقعہ پر پہونچکر بھائیوں میں جاگیر کو مساویانہ طریقہ سے تقسیم کر کے سب کو باہم رضامند کر دے، کہ آیندہ کوئی نزاع قائم نہ ہو، اور دلوں کا غبار بھی دُور ہو جائے، ۵

میانجی چناں کن برائے صواب
کہ ہم سیخ برجا بود ہم کباب

محمد خاں اور فرید میں تقاسمہ جاگیر کے بابتہ نامہ و پیام

خان اعظم محمد خاں نے واپس آکر شیر خاں کے پاس پیام بھیجا کہ اب بھی موقعہ ہے کہ پرگنات جاگیر میں سے سہسرام اور خواص پور پدری تقسیم کے موافق اپنے پاس رکھ لے، باقی دُو پرگنے ٹانڈہ اور بہلول دوسرے بھائیوں کو حوالہ کر دے کہ آیندہ خانگی نزاع دور ہو جائے،

شیر خاں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ خان اعظم کو سوچنا چاہئے کہ یہ ملک ہندوستان ہے (ملک روہ افغانستان) نہیں ہے کہ ریاست، درحکومت وارثوں میں تقسیم ہو، ہندوستان کا دستور یہ ہے، جیسے سکندر لودی نے بطور قانون جاری کیا ہے کہ افغانی امرا جب وفات پائیں تو اُن کا خزانہ اور تمام اثاث البیت وارثوں میں بطور میراث تقسیم ہو، جاگیر اور سپاہ صرف بڑے بیٹے کا حق ہے، علاوہ اس کے پرگنات کی سند سلطان ابراہیم نے مجھ کو عنایت کی ہے، دوسروں کا اس میں نام و درج نہیں ہے، پھر میں تقسیم جاگیر کو کیونکر منظور کر سکتا ہوں،

محمد خاں اور فرید میں جنگ

خان اعظم یہ جواب سنکر سیخ پا پر غضب ہوا، اس کا غیظ و غصہ دُو وجہوں پر مبنی تھا، ایک سلیمان کی حمایت، دوسرے اپنی اہانت دوسرے روز شادی خاں اپنے غلام کو اپنی ساری فوج کا افسر مقرر کر کے اور سلیمان کو ہمراہ کر کے

حکم دیا کہ جنگی طاقت کے ذریعہ سے جملہ پرگنات پر سلیمانؔ و احمدؔ کا قبضہ کرا دے، شادی خاں نے اِدھر سے نہضت کی، اُدھر سہسرام سے شیر خاں نے اپنے غلام ملک سکھؔ کی قیادت میں اپنی فوج روانہ کی، اور تمام شقہ داروں کے نام فرامین جاری کئے کہ فوراً ملک سکھ کی اعانت کو روانہ ہوں، ملک سکھ اُس وقت ٹانڈہ کا شقہ دار تھا،

خواص پور ٹانڈہ پر سرہری افغانوں کے لشکروں کا مقابلہ ہوا، خانِ اعظم کا کثیر لشکر شیر خاں کے قلیل لشکر پر غالب آکر فتحیاب ہوا، ملک سکھ (شیر خاں کے غلام) نے بہادری کے ساتھ اپنی جان دیکر حقِ نمک ادا کیا، باقی سپاہ منتشر ہو کر سہسرام واپس آگئی، اور پرگنات پر سلیمان خاں قابض ہو گیا۔

شیر خاں کو اپنی ہزمیت یابی سے ملال ضرور ہوا لیکن کمزور دلوں کی طرح مایوس و ہراساں نہیں ہوا، بلکہ اُس کے حوصلے اور ارادوں میں مزید ترقی ہوئی، تحمل اور فکر کے ساتھ اپنی کامیابی کی تدابیر پر غور کرنے لگا، اول شیر خاں نے سلطان محمدؔ والی بہار کی طرف نگاہ ڈالی جس کے یہاں وہ پہلے ملازم رہ چکا تھا، لیکن پھر اُس کا ضمیر سلطانِ بہار کی طرف مائل ہونے سے اس لئے رکا کہ محمد خاں سرخیل افغانی امراء میں معزز اور اس وقت سلطانی نظر میں معتمد علیہ سر وار ہے، اور اُسی کے ایماء سے محمد خاں کو مداخلت کی جراُت ہوئی ہے اب اُس سے سوال اعانت فضول و بیکار ہے، انکار کی صورت میں لوگ طعن آمیز لہجہ میں یہی کہیں گے

کیا ملا عرض مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے

ملہ۵ ورا صل ملک سکھ کسی پٹھان کا بیٹا تھا جسے حسن خاں پدر شیر شاہ نے پرورش کیا، اُس کے چار بیٹے تھے، خواص خاں جو قلعۂ گور کی خندق میں ڈوب کر فوت ہوا) دوسرا صاحب خاں جو خواص خاں دلی کے نام سے مشہور تھا، تیسرا شمس خاں چوتھا احمد خاں، چونکہ ان کی شادیاں شروانی قبیلہ میں ہوئیں اس لئے قیاس یہ ہے کہ ملک سکھ شروانی تھا، شیر شاہ ان سب کو بھائی اور بیٹے سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، اُنہوں نے بھی وفاداری کے ساتھ خدمات انجام دیں ۱۲

شیر خاں کا سلطان جنید کے پاس جانا

مناسب یہ ہے کہ کسی اور طاقت سے امداد چاہی جائے، سوچ کر نظام خاں اپنے چھوٹے بھائی سے مشورہ کیا، تبادلۂ خیالات کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ سلطان جنید برلاس کے پاس چلنا چاہیئے، جو اُس وقت کڑا مانکپور کا صوبہ دار اور سلطان بابر کا قابل اعتماد و مدبّر افسر تھا، اس فیصلہ کے بعد شیر خاں سہسرام سے چلکر مانکپور کڑا پہونچا، وکیل کے ذریعہ سے اپنی آمد اور حاضری کے مطلب سے اطلاع دی، بیش قیمت تحائف جو اپنے ساتھ لے گیا تھا، وہ بھی نذرانہ میں پیش کئے، گفتگو کے وقت معاہدہ کیا کہ اگر میں سلطانی امداد سے اپنے پرگنات واپس لینے میں کامیاب ہوا تو ممنونیت کے ثبوت میں سلطنت کا ہمیشہ بہی خواہ اور سلطان جنید کا وفا شعار خادم رہوں گا،

سلطان جنید نے شیر خاں کی مہمانداری کی، لطف و کرم سے پیش آیا، اور اُس کی درخواست کے موافق معقول سپاہ سے اعانت بھی کی، شیر خاں متشکر و مسرور ہو کر افواج کی رہبری کرتا ہوا سہسرام کی طرف روانہ ہوا،

شیر خاں کی تاخت سلیمان اور محمد خاں پر

سلیمان خاں نہ خود اتنا بہادر تھا کہ شیر خاں سے مقابل ہوتا، نہ اس قدر جمعیت اُس کے پاس تھی کہ وہ شیر خاں کی فوج سے نبرد آزما ہوتی، شیر خاں کی آمد آمد کی خبر سنتے ہی کوہ رہتاس کی طرف جان سلامت لیکر نکل گیا، شیر خاں کو خوش قسمتی سے جنگ و جدال کی نوبت نہ آئی، اور وہ پُرامن طریقہ سے اپنے پرگنات پر قابض و دخیل ہوگیا، ابھی خان اعظم محمد خاں سے انتقام لینا باقی تھا، اس لئے امدادی لشکر کا رُخ اُس کے علاقے کی طرف پھیر کر عجلت کے ساتھ روانہ ہوا، راستہ میں خالصۂ شاہی اور اس کے مقبوضہ جتنے پرگنے ملے، سب پر اپنا تسلط جماتا ہوا محمد خاں کی دار الحکومت چوندہ کی طرف بڑھا، اُس وقت شیر خانی فوجی سیلاب کا روکنا محمد خاں کی طاقت سے باہر تھا، اس لئے سلیمان خاں کی تقلید اس نے بھی کی اور محاربہ سے قبل صاف بچ کر نکل گیا، لیکن اُس کی حکومت گاہ شیر خاں کے فاتحانہ تصرف سے نہ بچ سکی، دنیا نے دیکھ لیا کہ سلیمان کی حمایت میں محمد خاں سر خیل نے جو دوسروں سے کے

ساتھ عمل کیا تھا۔ یہی عملی نقشہ اُس کے سامنے بھی آیا جس نے اُن کے قومی وقار و عظمت پر داغ لگا دیا، اس لئے حکماء نے کہا ہے کہ

گندم از گندم بروید جو زجو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

فرید خاں کا احسان محمد خان سور پر

شیر خاں چاہتا تو خان اعظم کا تعاقب کر کے گرفتار اور اس کے تمام اثاث البیت پر مالکانہ تصرف کر سکتا تھا، مگر وہ جتنا حکومت اور ریاست کا عاشق تھا، اتنا ہی فیاض و رحیم بھی تھا، قومی سرخیل کی پریشانی اور آوارہ گردی پر اُسے رحم آیا، اور ندامت کے پیرایہ میں اُسے عریضہ لکھا کہ آپ میرے باپ کی جگہ ہیں، جس مجبوری سے میں نے فوجی نقل و حرکت کی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے، قومی سرخیل کا اس طرح غیروں کی پناہ میں رہنا ایک سوری افغان کے لئے سخت تکلیف دہ ہے، میں آپ سے امن وامان کا عہد کرتا ہوں، اپنے علاقہ میں واپس آ کر حکومت کیجئے، میں خود خان اعظم کی خدمت کے لئے موجود ہوں، عریضہ کے پہونچنے پر بلا کسی وغدغہ اندیشہ اس کے خان اعظم اپنے علاقہ میں واپس آگیا، اور شیر خاں کے اس شریفانہ سلوک نے اس کو ہمیشہ کے لئے ایسا زیر منت کیا کہ ندامت سے کبھی اس کے سامنے سر نہ اُٹھا سکا۔

اس حملہ آوری کے سلسلہ میں بہت سے افغان خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے مسکنوں سے نکل گئے تھے، شیر خاں نے عام معافی و اطمینانی اعلانات کے ذریعہ سے اُن سب کو واپس بلوایا، اور علیٰ قدر مراتب ہر ایک کے ساتھ مراعات و مہربانیاں کیں، چونکہ شیر خانی عمل میں صداقت تھی، اس لئے تمام افغانی افراد اُس کے گرد جمع ہو گئے جس سے اُس کی طاقت زبردست ہو گئی،

شیر خاں کا مکر سلطان جنید کے پاس جاتا

شاہی فوج کی اب ضرورت نہ تھی، اس لئے انعام و اکرام ان کو دے کر رخصت کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد شیر خاں ایفائے عہد

کی تکمیل میں سلطان جنید کے پاس چلا گیا، اور اپنی جگہ اپنے بھائی نظام خاں[۱۵] کو چھوڑ گیا۔ جو وفا اور اطاعت شعار بھائی تھا،

شیر خاں کا بابری لشکر میں پہونچنا اور اس کے دل پر افغانی سلطنت کے زوال کا اثر

شیر خاں عرصہ تک سلطان جنید کی خدمت میں رہا، اور اپنی وفادارانہ خدمات کی سفارش سے سلطان جنید کا معتمد علیہ مصاحب ہو گیا، ۹۳۴ھ کا زمانہ تھا، اس وقت شہنشاہ بابر چندیری کے راجہ میدنی رائے کی سرکوبی کے لئے اطراف چندیری میں مقیم تھا، سلطان جنید بھی مانکپور سے چل کر شاہی لشکر میں آیا، شیر خاں بھی ہمراہ تھا، شیر خاں کو فوجی و ملکی نظام سے فطرتاً دلچسپی تھی، بابری لشکر میں عرصہ تک رہا، مغلوں اور افغانوں سے ملنے کا اکثر اسے اتفاق بھی ہوا، تبادلہ خیالات سے بھی اس نے فائدہ اٹھایا، ہر سپاہی، ہر افسر، اور ان کے اطوار و عادات کو روزانہ متجسسانہ نگاہ سے دیکھتا اور غور کرتا رہا، یکایک اس کی غیور اور حوصلہ مند طبیعت میں جوش پیدا ہوتا ہے، قومی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں، افغانی سلطنت کے تاریخی نقش و نگار یاد آتے ہیں، جو اس وقت مٹ چکے تھے، جن کا جاہ و جلال لٹ چکا تھا، شان و شوکت برباد ہو چکی تھی، دوسری طرف بابری فتوحات کا ابر افغانوں پر الگ چھایا ہوا تھا، سلطان ابراہیم لودی کے زوال کا آخری نقشہ بھی اس کی نگاہ کے سامنے تھا، جس کی ایک لاکھ کی فوجی قوت کو بارہ[۱۲] ہزار مغلوں نے پانی پت کے میدان میں پاش پاش کر دیا تھا، ان تمام حالات و واقعات کے ماسوا افغانوں اور مغلوں کی فطرت، عادت، سیرت، طرز معاشرت، معاملات، جنگی طاقت، آئینی قابلیت، اور تمام ذہنی و دماغی قویٰ کے توازن سے بھی خوب واقف ہو چکا تھا، اور اسے اس کا احساس بھی تھا کہ غوری سلطنت کے شیرازہ کو منتشر کر دینے میں خود افغانی سرداروں

۱۵؎ خدا کی قدرت دیکھو کہ نظام خاں کو تو تخت و تاج نصیب نہیں ہوا، لیکن اس کے بیٹے مبارز خاں نے عادل شاہ کے لقب سے تخت حاصل کیا، اس کے علاوہ اس کی تین بیٹیاں بھی تھیں، ایک سلیم شاہ کو دوسری سکندر سور کو تیسری ابراہیم سور کو، اور ان تینوں دامادوں نے بھی کم و بیش شاہی تخت حاصل کیا۔ ۱۲

کی نا اتفاقی کو بڑا دخل ہے، ورنہ مٹھی بھر خستہ سپاہ سے بابر کے لئے کامیابی آسان نہ تھی۔ شیر خاں نے ان خیالات سے عمیق اثر لیا، جن کو وہ اپنے دل و دماغ میں بھی محفوظ و مقید نہیں رکھ سکا، بابری لشکر میں چل پھر کر اپنے افغانی احباب سے اس نے بارہا تذکرہ کیا کہ میں اپنے قومی بھائیوں کے خصائل سے خوب آگاہ ہو چکا ہوں، اتفاقی جوہر اُن کی طبائع میں باقی نہیں رہا، طمع، رشک، اور حسد نے ان کے اخلاص اور وفاداری کے تخم کو جلا کر خاکستر کر دیا ہے، مغلوں کو دیکھتا ہوں تو اُن میں استقلال و نظام قائم نہیں، بابر اپنے مشیروں کا محتاج ہے، خود کوئی مستقل رائے نہیں رکھتا، اور جن امرا پر اُسے اعتماد ہے، وہ بندۂ زر ہیں، ہوا پرست ہیں، چاروں طرف رشوت کا بازار گرم ہے، اگر افغانی قوم اخلاص مندی کے ساتھ باہم متفق ہو جائے، تو میں ان کی اتحادی طاقت سے چند سال میں مغلوں کو ہندوستان سے نکال سکتا ہوں، شیر خاں کے احباب ان تخیلات پر اُس کا مضحکہ اُڑاتے اور کہتے،

کلاغے تگِ کبک در گوش کرد
تگِ خویشتن را فراموش کرد

مگر قدرت ان پست ہمتوں کی تضحیک پر خود ہنستی اور کہتی کہ

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

بابر کے دسترخوان پر شیر خاں کی شرکت

مہمان شاہی ہونے کی حیثیت سے ایک روز اُن ہی ایام میں سلطان جنید کے ہمراہ شاہی دسترخوان پر شیر خاں کو بھی کھانے کا اتفاق ہوا، مکلّف کھانوں کے علاوہ ایک قاب میں ماہیچہ بھی اُس کے سامنے رکھا گیا، اس سے قبل اس نے نہ اس قسم کا کھانا دیکھا تھا، نہ اس کے کھانے کے طریقہ سے واقف تھا، غور و فکر کے بعد فوراً اپنی کمر سے چھری نکالی، اور اُس کی قاشیں بنا کر بے تکلف کھانا شروع کیا، بابر نے اُس کی اس نئی حرکت کو دزدیدہ نگاہ سے دیکھ کر استعجابی پیرایہ میں میر خلیفہ وزیر اعظم (برادر سلطان جنید)

سے آہستہ کہا کہ "ایں افغان بچہ غریب کارے کرد" یہ کہکر شیرخاں پر مبصرانہ نگاہ ڈالی اور میر خلیفہ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ اس افغان کی آنکھوں سے فتنہ ٹپکتا ہے، اور جو سطوت اس کے چہرہ سے عیاں ہے، بڑے بڑے افغانی امرا میں نہیں دیکھی گئی، مصلحت یہ ہے کہ اسے فوراً نظر بند کرلیا جائے، میر خلیفہ نے عرض کیا کہ اس وقت یہ شخص شاہی مہمان ہے، بظاہر اس کے پاس ایسے ذرائع بھی نہیں کہ بغاوت کا شبہ ہو سکے، علاوہ اس کے نظر بندی کی صورت میں تمام افغانی سرداروں میں بادشاہ کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہوکر اتحادی مطلع غبار آلود ہو جائے گا، بابر جواب سُنکر خاموش ہو گیا،

بابر کا خیال آیندہ ۱۴ سال کے اندر جس قدر صحیح ثابت ہوا، وہ شیر شاہی کارناموں سے ثابت ہے، اسی طرح شیرخاں نے افغانوں اور مغلوں کی نسبت اپنی فراست سے جو رائے قائم کی تھی اس کی صحت میں بھی کلام نہیں، جو کچھ اس نے کہا اُسی صورت سے کر بھی دکھایا،

بابر نے دسترخوان پر جو کچھ سرگوشی کی، شیرخاں فصل ہونے کی بنا پر اُسے سُن نہ سکا، لیکن بابر کی طرح اُس نے بھی اُس وقت یہ قیاس کیا کہ میر خلیفہ سے سلطان نے اس کے متعلق گفتگو کی ہے، اور وہ گفتگو بدگمانی کے پیرایہ میں ہے، کھانے سے فارغ ہوکر سیدھا اپنے قیام گاہ پر پہونچا اور دوستوں سے کہا کہ بابر کے خیالات میری طرف سے برگشتہ ہیں، اب یہاں قیام مناسب نہیں، سامان سفر تیار کرکے سلطان جنید سے بغیر ملے ہوئے سہسرام روانہ ہو گیا، وہاں سے معذرت نامہ لکھکر سلطان جنید کے پاس بھیجدیا جس میں بلا حصول اجازت اپنے آنے کی یہ وجہ لکھی کہ پرگنات جاگیر پر غیروں کی فوری مداخلت کا اندیشہ، اور توقف میں نقصان کا قوی احتمال تھا، بعد اطمینان حاضر خدمت ہوں گا،

شیرخاں کا والی بہار کے پاس جانا

شیرخاں صحیح الدماغ اور مآل اندیش انسان تھا، اس نے وطن پہونچکر اور تمام گرد و پیش حالات پر غور کرکے یہ رائے قائم کی کہ مغل قوم کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے کہ وہ فاتحانہ حیثیت سے تازہ وارد ہے، اور جس قوم سے اُس نے سلطنت حاصل

کی ہے اس پر ابھی کامل طور سے اس کی سیادت بھی قائم نہیں ہوئی، دونوں قومیں ایک دوسرے سے خائف اور بدظن ہیں، ملکی اور قومی رشتہ داری کی بنا پر جس قدر فائدہ افغان سرداروں سے مغلوں کو مفاد حاصل ہو سکتا ہے، دوسروں کو ہرگز نہیں ہو سکتا، اقتضائے وقت یہ ہے کہ کسی خودمختار طاقتور حکومت کا توسل اختیار کیا جائے، ورنہ آزادی کو خطرہ ہے، یہ سوچ کر سلطان محمد والیِ بہار کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا، جو قوم سے لوحانی افغان، خودمختار فرمانروا اور خود شیر خاں جس کا ممنون احسان بھی تھا، نظام خاں اپنے بھائی کو جاگیر پر اپنا قائم مقام بنا کر سیدھا بہار پہنچا، سلطان محمد خاں اسے دیکھکر بہت خوش ہوا، سینہ سے لگایا، اور بہت زیادہ عزت و توقیر کی، کچھ دنوں کے بعد سلطان نے اپنے خوردسال ولیعہد جلال خاں کا شش سالہ اسے اتالیق و نائب بھی مقرر کر دیا،

تیسرا باب

سلسلۂ امارت، اور فتوحات

شیر خاں نے اتالیق بنکر ولیعہد جلال خاں کی تربیت و تعلیم میں عمیق دلچسپی سے کام لیا، جلال خاں کی عمر ابھی کم تھی کہ سلطان محمد نے رحلت کی، ولیعہد کی کم عمری کی وجہ سے اس کی ماں (لاڈو ملکہ) نے مہمات سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، شیر خاں کو مشیر بنایا، اور اس کی رائے سے کام کرتی رہی، چندروز کے بعد لاڈو ملکہ کا بھی انتقال ہو گیا، اب شیر خاں خودمختار تھا اپنی حکمت عملیوں اور دانائی سے اس نے حکومت کو ضعیف نہ ہونے دیا، اس وقت تمام علاقہ بہار اس کے زیر اثر تھا، اور اس کی حکومت کامیاب حکومت تھی،

شیر خاں کی پہلی جنگ بنگالہ سے

بنگال میں اس وقت سلطان محمود، خودمختار بادشاہ تھا، اس نے دیکھا کہ ولایت بہار اسی کی ایک ہمسایہ سلطنت پر اس وقت ایک

غیر شخص ملازمانہ حیثیت سے حکمراں ہے، اور وارثِ حکومت نابالغ ہے، طمع دامنگیر ہوئی، اور ارادہ کیا کہ بہار کو فتح کر کے ضمیمہ حکومت بنگالہ کر لینا چاہیے، لیکن شیر خاں کی سیاسی طاقت کے اندازہ لگانے میں اس نے غلطی کی، اور فوراً قطب خاں کی قیادت میں ایک جرار لشکر سرحدی علاقہ پر روانہ کر دیا، شیر خاں نے سلطان محمود کی فوجی نقل و حرکت کو حقارت کی نظر سے دیکھکر خود بھی تیاری کی، اور استقبال کے لیے بھاری فوج لیے ہوئے آگے بڑھا، حریفوں نے میدان میں صف آرائی کی، شیر خاں نے رفع حجت کے لیے بنگالی سپہ سالار کو پیغام دیا کہ دونوں حکومتوں میں قدیم سے جو اتحاد ہے، وہ آج ملکی طمع میں ٹوٹنے والا ہے، سلطان بنگالہ کا مخلص دوست، سلطان محمد وفات پا چکا ہے، اس کا وارث جلال خاں نابالغ بیٹا موجود ہے، دشمنی کے بجائے ایسے یتیم بچہ کو آغوشِ محبت میں لینا سلطان محمد کے دوستوں کا فرض ہے یہ کسے معلوم کہ کل کے دن نتیجہ جنگ کیا اور کس کے حق میں برآمد ہو، مگر یہ ظاہر ہے کہ سلطان محمود کی فتح، موجب رسوائی، اور شکست باعث ندامت ہوگی، سلطان محمود تک یہ پیغام پہونچا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی، اور حملہ کا حکم دے دیا، شیر خاں نے اپنے افغانی سرداروں، اور افسروں کو جمع کر کے کہا کہ ملک بہار کے ایک طرف مغلوں کی آہنی دیوار، اور دوسری طرف بنگالہ کا آتش فشاں پہاڑ ہے، دونوں کے درمیان سلامت رہنا اسی وقت ممکن ہے کہ فوج، اور افسرانِ فوج کی اتحادی کڑی ٹوٹنے نہ پائے، تمام لشکر نے اتفاق و اتحاد پر معاہدہ کیا، شیر خاں نے پیادوں، اور سواروں کو ترتیب دے کر قطب خاں کی طرف حرکت کی، پہلے ہی حملہ میں شیر خاں نے بنگالی لشکر کی کمزوری کا احساس کر لیا۔ دوسرے حملہ میں مقابل حریف کی فوجی طاقت کا شیرازہ اس طرح بکھیر دیا کہ سالارِ لشکر مارا گیا۔ بیشمار فوج شیر خانی تلواروں کے گھاٹ اتر گئی، بہت کم زندہ بچ کر نکل سکے، مورخین نے لکھا ہے کہ اس لڑائی میں گھوڑے، ہاتھی، اسلحہ کے علاوہ بیشمار متفرق فوجی سامان، اور خزانہ شیر خاں کے ہاتھ آیا، جس سے اس کی طاقت زبردست ہو گئی، اور آیندہ فوجی بھرتی میں مالِ غنیمت نے کافی سے زیادہ اعانت کی، سوری اور لودی افغان مالامال ہو گئے

لوحانیوں کی شیرخاں سے عداوت

لوحانی افغانوں کو مال غنیمت سے حصہ دینے میں شیرخاں نے کسی قدر تنگی سے کام لیکر وقت کے لحاظ سے غلطی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوحانی شیرخاں کے خلاف ہو گئے، رفتہ رفتہ مخالفت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ لوحانیوں میں باہم شیرخاں کی ہلاکت کے مشورے ہونے لگے، جلال خاں وارث ملک جوان ہو چکا تھا، تاہم شیرخاں جیسی منتظم ہستی کی ابھی اُسے ضرورت تھی، اور وہ ہرگز اس بات کا خواہاں نہ تھا کہ ملک اس کی سیادت، اور فیضانِ نظم سے محروم رہے، تاہم قومی سرداروں کے اثرات سے مجبور ہوکر ہلاکت کے مشورے میں وہ بھی شریک ہوا، اور تجویز یہ قرار پائی کہ سلطان کے حوالہ سے شاہی محل میں بلوا کر شیرخاں کا کام تمام کردیا جائے۔

شیرخاں، اپنے دشمنوں سے غافل نہ تھا، لوحانی ہر چند اپنے رازوں کو مخفی رکھنے میں احتیاط کرتے، لیکن شیرخاں کی خبررسانی کے ذرائع اس قدر وسیع تھے کہ لوحانیوں کے تمام افعال و اقوال روزانہ آئینہ کی طرح اُس کے سامنے روشن رہتے، اس لئے اُس نے بھی لوحانیوں کے خلاف نئی فوج بھرتی کرنی شروع کردی، اور جس قدر خزانہ بنگال کی لڑائی میں اُس کے ہاتھ لگا تھا، فیاضی کے ساتھ اُس نے اپنی طاقت بڑھانے میں صرف کردیا،

جب شیرخاں کو اس طرف سے اطمینان ہوگیا، تو ایک روز خود سلطان جلال خاں کے پاس گیا، اور نہایت بیباکی کے ساتھ کہا کہ سلطنت کا مالک لوحانی افغان ہے، اور اُس کے تمام جاگیردار و امراء سب لوحانی افغان ہیں جن کی فوجی و مالی قوت زبردست ہے، میں اُن لوگوں میں غیر ہوں اور غیر کا وجود خواہ وہ کتنا ہی خیراندیش کیوں نہ ہو ہمیشہ قومی جماعت کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کی قوم نے آپ ہی کے محل میں میرے قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے، لہذا میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ مجھے آیندہ اُس وقت تک سلطانی محل میں حاضری سے معاف رکھا جائے جب تک کہ قومی عداوت کا سیاہ بادل پھٹ نہ جائے، اور اگر کسی اہم ضرورت پر میری حاضری لازمی سمجھی جائے تو مجھے میرے آدمیوں کے ساتھ

آنے کی اجازت دی جائے'

شیر خاں کی تقریر سنکر جلال خاں کے کان کھڑے ہو گئے' اور سمجھا کہ راز فاش ہو گیا' ظاہری تالیف قلوب کے سلسلہ میں اس نے شیر خاں کی دلجوئی کی' اور کہا کہ میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوحانی اپنے ارادہ میں کامیاب ہوسکیں' ہر مناسب طریقہ سے تجھکو میرے پاس آنے اور مشورہ دینے کا اختیار ہے'

شیر خاں خود ایک تجربہ کار' اور انجام بین شخص تھا' ایسی طفل تسلیاں خود اُسے آتی تھیں اپنی باخبری کا اظہار اُسے منظور تھا جسے سر دربار اس نے صاف صاف کہدیا' اور اپنی جگہ واپس آگیا' انکشاف راز نے لوحانیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا' ایک گروہ شیر خاں کا طرفدار بنا دوسرا گروہ اس کا علانیہ مخالف ہوا' مخالفوں کی تعداد زیادہ تھی' جن کا معاون خود جلال خاں تھا' شیر خاں نے سوچا کہ ملک لوحانیوں کا ہے' اور وہ لوگ اس وقت طاقتور' اور تمام ولایت بہار پر محیط ہیں' عداوت کی آگ مشتعل ہو چکی ہے یا تو کسی ترکیب سے ان آتشیں شعلوں کو سرد کیا جائے' یا جلنے سے قبل کنارہ کشی اختیار کی جائے'!

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

شیر خاں نے جلال خاں کے پاس خود جانا تو مناسب نہ جانا' اپنا وکیل بھیجکر پیغام دیا کہ میں نے آپ کی نابالغی میں ملک بہار کو شاداب' اور آراستہ کر دیا ہے' غیرت اور پاس نمک کا یہ ہرگز اقتضا نہیں کہ لوحانی افغانوں سے لڑکر بنی ہوئی صورت کو بگاڑا جائے' لوحانی سرداروں نے آپ کے پاس رہ کر خوفناک روش اختیار کر رکھی ہے' انتظام دو صورتوں سے ممکن ہے' یا تو مجھے اجازت دی جائے کہ اپنی جاگیر پر واپس جاؤں' یا اپنے سرداروں کو ان کی جاگیرات پر رخصت کر دیجئے۔

جلال خاں نے پیغام سنکر اپنے امراء سے مشورہ کیا' انہوں نے یہ رائے دی کہ شیر خاں

کو اجازت دے دی جائے اور آپ سلطان محمود والی بنگال کے پاس جاکر اور صوبہ بہار اسے نذر کرکے اُس کی حمایت حاصل کیجئے، اس صورت میں بنگالی حملہ کا اندیشہ بھی نہیں رہے گا اور دو متفرق طاقتیں ایک ہوکر شیر خاں اور مغلوں کا بھی مقابلہ کرسکیں گی، جلال خاں نے اپنی ناوانی سے اس ذلت آمیز رائے کو پسند کرکے، اور شیر خاں کو خلعت بھیجکر کہلا بھیجا کہ آپ کو اجازت ہے کہ مغلوں کی حمایت میں رہکر قسمت آزمائی کیجئے میں بنگال پر حملہ کرنے جاتا ہوں،

شیر خاں کی دوسری جنگ بنگالہ اور بہار پر قبضہ

شیر خاں جواب سُن کر آزاد ہوگیا، اور اپنی جمعیت لیکر سہسرام پہنچا یہاں آکر اُسے معلوم ہوا کہ جلال خاں والی بنگال کی حمایت میں چلا گیا ہے، بہت خوش ہوا، اور کہا کہ اب لوحانیوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا، اس دافعہ نے اس کے لئے فتوحات کا دروازہ کھول دیا، ملک گیری کا جو پہلے سے خیال خام تھا، اب پختہ ہوگیا، اطراف بہار میں جس قدر سوری، خلجی، اور لودی افغان تھے، خطوط اور قاصد بھیجکر سبکو جمع کیا، اس کی ہردلعزیزی، فیاضی، اور قوم پروری کے اوصاف اس کی فوجی طاقت بڑھانے میں بہت زیادہ معین و مددگار ہوئے، لوگوں سے اس نے اپنا ملک گیری کا ارادہ ظاہر کیا، ایک زبان ہوکر سبھوں نے لبیک کہا، شیر خاں نے کمر ہمت باندھی، اور اپنی قیادت میں اُن کو لیکر بنگال کی طرف روانہ ہوگیا، مقام مقصود پر پہنچکر ملک بہار کو اپنی پشت پر اور بنگال کو سامنے رکھکر خیمہ زن ہوا،

سلطان محمود والی بنگال بے خبر نہ تھا، شیر خانی نقل و حرکت کے جواب میں اُس نے بھی تیاری کی اور اپنے سپہ سالار ابراہیم خاں کے زیر کمان بڑی تعداد کی فوج روانہ کی، جن کے پاس جنگی اسلحہ اور آتشیر، سامان کے علاوہ ہاتھیوں کی فوج بھی تھی، ابراہیم خاں سر عسکر اپنی سپاہ کی کثرت اور جنگی ساز و سامان کے ذخائر پر مغرور ہو رہا تھا، اور شیر خاں کی گردن نیاز حقیقی شہنشاہ کے آگے جھکی ہوئی تھی،

شیر خاں نے پہلے سے اپنی فوج کے سامنے خام قلعہ بنا لیا تھا، عام حملہ سے قبل اس نے

بنگالی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے حملوں کا حکم دیا، خام قلعہ سے ایک دستہ نکلتا بنگالی اُس پر حملہ کرتے اور افغانی دو چار ہاتھ دکھا کر قلعہ میں محفوظ ہو جاتے کچھ روز یہی صورت رہی اور اس میں شیر خاں کے خیال کے مطابق کسی قدر کامیابی بھی ہوئی،

ابراہیم خاں کی سپاہ کا کسی قدر نقصان ہوا، اور فوج نے پست ہمتی ظاہر کی، اس لئے ابراہیم خاں نے والیِ بنگال سے مزید اعانتی فوج بھیجنے کے لئے درخواست کی، شیر خاں کو اس درخواست، اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ بنگالیوں میں جنگجویانہ حوصلے نہیں ہیں، اور یہ موقعہ عام حملہ کے لئے مناسب نہ ہے، اس لئے مشورہ کے لئے اپنے افغانی برادروں کو بلایا، اور تمام حالات بیان کر کے اُن سے رائے لی، ہر ایک نے شیر خاں کی تجویز سے اتفاق کر کے اپنی جان نثاری کا یقین دلایا، شیر خاں کی ہمت دو چند ہو گئی، فوراً لشکر کو لئے ہوئے حصار خام سے باہر نکلا، فریقین میں جنگ عظیم ہوئی، لوحانی افغان، سوری افغانوں کا لوہا مان گئے، سخت نزیں ان کو ہزیمت ہوئی، سر عسکر ابراہیم خاں بھی مقتول ہوا،

اس دوسری عظیم الشان فتح سے افغانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے، مال غنیمت نے آنکھیں کھول دیں، جس میں بیشمار گھوڑے، ہاتھی، اسلحہ جنگ، اور خزانہ تھا، شیر خاں کو اس مال غنیمت نے آیندہ فوجی طاقت بڑھانے میں بہت زیادہ معاونت کی، اور اس کامیابی سے اُس کی شہرت میں چار چاند لگ گئے، بہار کا ملک خالی تھا، وہ شیر خانی اقتدار میں آیا، اور بعض پرگنے بنگال کے بھی اُس کے قبضہ میں آئے،

لاڈو ملکہ سے شیر خاں کا نکاح اور چنار گڈھ پر قبضہ

جب نصرتِ الٰہی کسی کی یاور، اور اقبال معاون ہوتا ہے، تو اُس کی ترقی کے لئے ویسے ہی اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں، چنار گڈھ کا قلعہ ایک مشہور قلعہ ہے، جو ملکی تقسیم کی رو سے موجودہ عہد میں ضلع مرزا پور صوبۂ متحدہ میں واقع ہے، اُس قلعہ میں سلطان ابراہیم لودی کا خزانہ محفوظ رہا کرتا تھا، سلطان ابراہیم کی طرف سے تاج خاں سارنگ خانی کو اس قلعہ کی حفاظت سپرد تھی، اس کی وفات پر اُس کی بیگم لاڈو ملکہ،

قلعہ میں سکونت پذیر تھی، جس کے پاس بے تعداد خزانہ متروکہ سلطان ابراہیم محفوظ تھا، بہار پر قابض ہونے کے بعد شیر خاں نے قلعۂ چنارگڈھ پر نظر کی، اور اُس کو بھی اپنے قبضہ میں لانا چاہا، لاڈ ملکہ بیوہ ہو چکی تھی، شیر خاں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ صاحبِ خزانہ ہے، ایک عورت سے جبراً مال و دولت کا حاصل کرنا افغانی غیرت کے منافی، اور دنیا میں سبب رسوائی سمجھکر شیر خاں نے یہ تدبیر سوچی کہ اس کو شرعی نکاح میں لانا چاہیئے، غرض اُس نے جوڑ توڑ لگائے اور رضامندی کے ساتھ اُسے اپنے عقد میں لایا، جس سے وہ خود صاحبِ خزانہ ہو گیا، علاوہ محفوظ خزائن کے خود لاڈ ملکہ نے شیر خاں کو جو اشیاء نذر کیں ان میں (۱۵۰) بیش بہا جواہر (۱۵۰) من سونا اور دیگر قیمتی اشیاء تھیں، جن کا تخمینہ اُس وقت ۹ لاکھ روپیہ کیا گیا تھا، اس مناکحت کے سلسلہ میں چنارگڈھ شیر خاں کے قبضہ میں آگیا، اور اس کے گرد و نواح کے تمام پرگنات بھی اُس کے زیرِ اثر آگئے،

سلطان محمود کا بہار پر قبضہ باب اول میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان فتح کیا، لیکن جیسا کہ عام قاعدہ ہے، ابھی بابر کے لئے استقلال کی کئی منزلیں طے کرنا باقی تھیں، لودیوں کی بہت سے افغانی امرا آزاد تھے، میواتی سردار علٰحدہ بابر کے خلاف تھے سلطان سکندر لودی کا بیٹا، سلطان محمود کے لقب سے الگ سلطنت کا مدعی تھا، ان سبھوں نے رانا سنگا راجپوت والیِ چتوڑ کو ملایا، جو اس وقت راجپوتانہ کی ناک تھا، رائے یہ ٹھیری کہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے ایک لاکھ کی مجموعی طاقت سے رانا سنگا بابر کے مقابلہ کے لئے نکلا ۹۳۳ھ کا سال اخیر تھا کہ بیانہ پر فریقین میں جنگ ہوئی، رانا نے شکست پائی، وہ اور اس کے معاونین منتشر ہو گئے، سلطان محمود بھی بھاگا، جب اُس کے لئے کوئی ٹھکانہ نہ رہا تو بہاری افغانوں نے اُسے بلوا کر بہار پر قبضہ کرا دیا،

ے نوٹ صفحہ ۳۷ - لاڈ ملکہ تاج خاں کی نوجوان محبوبہ دوسری بیوی تھی اجکے دام محبت میں پھنس کر اپنی پہلی بیوی کی اولاد سے آنکھ پھیر لی تھی، تمام اولاد معاش سے تنگ تھی، ایک روز بڑے بیٹے نے لاڈ ملکہ پر تلوار کا وار کیا وہ اوچھا پڑا تاج خاں بیٹے کی طرف جھپٹا، بیٹے نے باپ کے ایسا ہاتھ مارا کہ اُس کا ہمیشہ کو خاتمہ ہو گیا، تاہم خزانہ بیٹوں کے ہاتھ نہ آیا، لاڈ ملکہ ہی قابض رہی جس کی کوئی اولاد نہ تھی، آخر شیر خاں کے اقبال نے اُس پر اور اس کے خزائن پر قبضہ کیا ۱۲

شیر خاں کی سلطان محمود سے ملاقات

سلطان محمود کے ہمراہ اُس وقت کثیر لشکر تھا، اس کے علاوہ بہاری امرا کی اعانتی قوت مزید تھی، شیر خاں نے جارحانہ طاقت کا استعمال ایک ایسی ہستی کے مقابلہ میں جس کے بزرگوں کا وہ نمکخوار تھا، مناسب نہ سمجھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اُس کی فوجی طاقت سلطان محمود کی کثیر سپاہ کے ہم پلّہ بھی نہ تھی، اُس کو ابھی اپنی سپاہ سے بہت کچھ کام لینا تھا، جسے بے موقعہ ضائع کر دینا دانشمندی کا کام بھی نہ تھا، ان تمام خیالات کو پیش نظر رکھکر وہ خود تنہا سلطان محمود کی خدمت میں پہنچا عقیدت، ارادت، اور خاندانی قدیمی تعلقات کا اظہار کرتے ہوئے بہار پر اپنا حق جتایا، سلطان محمود شاہ نے وعدہ کیا کہ جونپور پر شاہی قبضہ ہونے کے بعد بہار اسے واپس دیدیا جائے گا، شیر خاں نے تحریری سند چاہی، سلطان نے فرمان لکھکر اُسے حوالہ کیا، اس سے مطمئن ہوکر شیر خاں سہسرام واپس آگیا جہاں کچھ روز ٹھہر کر جنگی ساز و سامان کی تکمیل کرتا رہا، چنارگڈھ اور اس کے تابع محالات ابھی تک اسی کے اقتدار میں تھے،

بابر کی وفات اور ہمایوں کی تخت نشینی

دوسرے باب میں اوپر تذکرہ گذر چکا ہے کہ ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء میں بابر نے سلطان ابراہیم لودی کو شکست دیکر تیموریہ سلطنت کی ہندوستان میں نبیاد ڈالی، شاہی سیادت قائم کرنے کے سلسلہ میں میو آت، چندیری (مالوہ) رنتھنبور وغیرہ اقطاع ہند میں پھرتا ہوا اور فتوحات حاصل کرتا ہوا ۹۳۶ھ میں بنگال کے حدود میں داخل ہوا، جب جلال خاں (ابن محمد شاہ) والی بنگال نے مصالحت کرلی تو وہ دار السلطنت آگرہ کو چلا، راستہ میں اُس کو اطلاع ملی کہ سلطان محمود شاہ (ابن سلطان سکندر لودی) کی افواج نے گنگا سے اُتر کر لکھنؤ پر قبضہ کرلیا ہے، اس طرف کچھ فوج تاتاری سرداروں کے ہمراہ بھیجکر خود آگرہ آگیا، طبیعت ناساز تھی علاج میں مصروف رہا، اسی زمانہ میں ہمایوں (جو بابر کا مطلوبہ ۹۳۵ھ میں بدخشاں سے چل کر ہندوستان آچکا تھا، اور اپنی جاگیر سنبھل میں مقیم تھا) بیمار ہوا، حالت خطرناک ہوئی تو بابر نے اُسے دہلی اور دہلی سے آگرہ اپنے پاس بلوالیا، علاج

ہوتا رہا، بالآخر دوا، اور دعا کے اثرات سے ہمایوں تو اچھا ہو گیا، لیکن بابر کی مزمنہ بیماری بیا ترقی ہوتی گئی، اور اس ترقی کا سبب زیادہ تر اُس کے عزیز ترین لختِ جگر ہمایوں کی علالت کے افکار و صدمات تھے، وقت پورا ہو چکا تھا، جانبر نہ ہو سکا، عمر کی پچاس منزلیں طے کرنے پایا تھا کہ ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء میں اُس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا، نعش آگرہ سے کابل بھیجی گئی، جہاں مدفون ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ،

بابر کے انتقال کے بعد اسی کی وصیت کے مطابق ۹ رجمادی الاول ۹۳۷ھ ۱۵۳۰ء کو ۲۴ سال کی عمر میں ہمایوں تخت نشین ہوا،

ہمایوں کی پہلی تاخت قلعہ کالنجر پر ہوئی، جسے اس نے محصور کر لیا، محصورین نے تنگ آ کر ۱۲ من سونا اور دیگر قیمتی اسباب کے معاوضہ میں ہمایوں سے صلح کر لی،

سلطان محمود شاہ نے بابر ہی کی زندگی میں لکھنؤ پر قبضہ کر لیا تھا، اور وہ اُس وقت ایک لاکھ افواج کا سردار تھا، ہمایوں کے عہد میں اس نے جونپور پہنچ کر قبضہ کیا، ہمایوں نے یہ خبر سُنی تو فوراً مصالحت کر کے کالنجر سے قطع نظر کی اور اپنے زبردست حریف کے مقابلہ کے لئے جونپور پہنچا، فریقین میں جنگ ہوئی، جس کا نتیجہ ہمایوں کے حق میں نکلا، محمود شاہ نے شکست پائی، اور اُس کا حوصلہ ایسا پست ہوا کہ اپنے زمانۂ حیات ۹۴۹ھ تک بادشاہی کے خیال سے پھر سر نہ اُٹھا سکا،

ہمایوں کا چنار پر حملہ اگرچہ ہمایوں سے شیر خاں کی اس وقت تک کوئی نزاع نہ تھی، نہ شیر خاں نے ہمایونی علاقہ پر قبضہ کیا تھا، بہار و بنگال دونوں صوبے تیموریہ سیادت سے باہر تھے، جن پر شیر خاں نے اپنے اقبال مندانہ زورِ بازو سے قبضہ پا لیا تھا، مگر اب ہمایوں کی طرف سے خود ابتدا ہوتی ہے، جس کی مدافعت میں شیر خاں ہر طرح حق بجانب تھا،

ہمایوں نے سلطان محمود کی مہم سے کامیاب ہو کر قلعۂ چنار گڈھ لینا چاہا، شیر خاں نے صاف انکار کر دیا، ہمایوں نے غصہ میں آ کر چنار کی طرف فوج کشی کی، شیر خاں بھی اُس وقت شاہی

افواج کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' نہ وہ ہمایوں سے لڑنا چاہتا تھا' اس لئے اپنے بیٹے جلال خاں کو چنارگڈھ میں چھوڑ کر اور اُسے مناسب ہدایت دیکر کوہستان جھاڑکھنڈ کی طرف چلا گیا' جسے اب ہزاری باغ کہتے ہیں' ہمایوں نے قلعہ کو محصور کر لیا' عرصہ تک لڑائی رہی' لیکن جلال خاں کی پامردی اور شجاعت سے قلعہ فتح نہ ہو سکا'

شیرخاں کو جاسوسی میں بھی کمال تھا' وہ دور سے بیٹھا ہوا' ہندوستان کے گوشہ گوشہ کے واقعات سے مطلع ہو رہا تھا' اُسے معلوم ہوا کہ شاہ گجرات نے مالوہ فتح کر لیا ہے' اور وہ عنقریب دہلی کی طرف بڑھنے والا ہے' ہمایوں کی فوج بھی حصار کے سامنے خستہ ہو چکی ہے' اور وہ خود بھی شاہ گجرات کی نقل وحرکت سے اب زیادہ دن قلعہ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا' یہ سوچ کر فوراً ایک درخواست ہمایوں کو اس مضمون کی بھیجی کہ قلعہ چنارگڈھ گو اس وقت میرے قبض ودخل میں ہے' لیکن میں شاہ ہند کی طرف سے اس کی سند چاہتا ہوں' باہم نامہ وپیام ہو کر سنہ ۹۳۹ھ میں اس معاہدہ کے ساتھ ہمایوں نے چنارگڈھ کی سند دیدی کہ قطب خاں (شیرخاں کا بیٹا) وفاداری کے ثبوت میں ہمایوں کے پاس رہے' قطب خاں بھیجدیا گیا' اُدھر ہمایوں گجرات اور مالوہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آگرہ روانہ ہوا اور اِدھر شیرخاں چنارگڈھ واپس آگیا

بہار پر شیر خاں کا دوبارہ قبضہ

ہمایوں کی طرف سے جب اس طرح اُسے اطمینان ہو گیا' تو شیرخاں نے سنہ ۹۴۰ھ میں بہار کی طرف رُخ کیا' علاقہ بہار میں جس قدر اُس کے مخالفین تھے اُن سے انتقام لینا چاہا' فوجی دباؤ سے کسی کو اسیر' کسی کو قتل' اور کسی کو اطاعت کے معاہدہ پر آزاد کر کے اپنا پورا اثر قائم کر لیا' اب سرزمین بہار' مخالفت کے کانٹوں سے بالکل صاف تھی' بنارس اور جونپور پر بھی قبضہ کیا' اس کے بعد مقامی' اور غیر مقامی امراء غرباء ملازمین اور عام رعیت کے ساتھ شیرخاں نے اس موقع پر شاہانہ سلوک کیا' فیاضی کے دریا بہا بہا کر غیروں کو اپنا بنا لیا' سعدیؒ کا قول اس کس قدر سچا قول ہے'

ہر کجا چشمہ بود شیریں   مردم ومرغ ومور گرد آیند

فتح بی بی کے خزاین پر شیر خاں کا قبضہ

شیر خاں کی عام قدر دانی، اور اس کی اقبال مندی کی شہرت اسقدر عالمگیر ہوئی، کہ اطراف ہند سے افغانی بہادروں کی آمد کا سلسلہ جاری ہوگیا، گجرات سے بڑے بڑے امرا، اور افغانی سرداروں نے آکر شیر خانی اقبال کے سایہ میں پناہ لی،

جب شیر خاں کے گرد کثیر لشکر جمع ہوگیا تو اس نے مغلوں سے ہندوستان کا تخت شاہی حاصل کرنے کا ارادہ کیا، قدرت نے بھی اس موقع پر اس کی مالی اعانت اس طرح کی کہ سلطان بہلول لودی کے زمانہ میں اس کا ایک بھانجہ میاں محمد عرف کالا پہاڑ صوبہ اودھ کا جاگیردار اور صاحب خزانہ تھا، اس کی وفات پر اس کی بیٹی، بی بی فتح ملکہ وارث املاک باقی رہی، مؤرخین لکھتے ہیں کہ علاوہ قیمتی جواہرات، اور زر نقد کے ایک سو من سونا اس کے پاس تھا، شیر خاں کی متجسسانہ نگاہ اس پر پڑی، وقت کی نزاکت، اور پر خطر حالت کا نقشہ اس کے سامنے پیش کرکے اُسے معہ خزانہ اپنی حفاظت میں لے لیا، اور اس کے گذارہ کے لئے اس کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد دو تین پرگنے اس کو دیکر اس کا کافی انتظام کردیا، اس ترکیب سے تمام زر وجواہر شیر خاں کے ہاتھ آگیا،

بنگالہ پر شیر خاں کا حملہ اور ہمایوں کی مداخلت

۹۴۲ھ میں ہمایوں شاہ گجرات اور مالوہ کی مہمات فتوحات میں مصروف رہا، گجرات اور مالوہ میں اس کو متواتر کامیابیاں حاصل ہوئیں، لیکن سلطان بہادر شاہ گجراتی کی حوصلہ مندانہ اولوالعزمیوں سے آخرکار ہمایوں کی کامیابیاں ناکامیوں کی صورت میں تبدیل ہوگئیں، اسی طرح مالوہ کا علاقہ بھی مقامی حکام کی یورش سے آزاد ہوگیا، دوسرے علاقوں کی بغاوت اور شیر خاں کی فاتحانہ پیش قدمیوں کی متواتر خبروں سے پریشان ہوکر بالآخر گجرات و مالوہ کو خیرباد کہکر آگرہ آیا، جہاں اس نے عیش وعشرت میں ایک سال کا زمانہ اور گذار دیا، جب تمام ملک بدنظمیوں کے جراثیم سے بھر گیا، اس وقت عشرت کدہ سے باہر نکلا، لیکن علاج کا وقت گذر چکا تھا،

شیر خاں کا عشرت کدہ میدانِ جنگ تھا' دو تین سال کا زمانہ اس کو اپنی ترقی اور فتوحات کے لئے خوب ملا' ولایت بہار سے فرصت پاکر بنگال کی طرف بڑھا' خواص خاں سپاہ سالار اور جلال خاں اپنے بیٹے کو مناسب ہدایات دیکر اُدھر روانہ کیا' اور آپ ضروری انتظامات میں مصروف رہا'

۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں ارکین سلطنت کے پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر اب ہمایوں نے بنگالہ کی طرف نہضت کی' شیر خاں نے ہمایوں کی آمد کی خبر سن کر چنار گڈھ کو خوب مستحکم کیا' اور اپنے بیٹے قطب خاں کو قلعہ حوالہ کر کے آپ چھار کھنڈ کی طرف چلا گیا' جہاں محفوظ ہو کر اپنی جنگی تدابیر میں مصروف ہوا'

ہمایوں کا چنار پر قبضہ ہمایوں نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا کہ پہلے چنار گڈھ پر حملہ کرنا چاہئے' یا قلعہ گور (دار السلطنت بنگال) پر' کہن سال افسروں نے رائے دی کہ قلعہ گور پہلے مفتوح کرنا عین مصلحت ہے' جہاں شیر خانی سپاہ متواتر کامیابیاں حاصل کر رہی ہے' اس کے فتح کر لینے سے قلعہ گور کا خزانہ بھی ہاتھ آجائے گا' اور شیر خاں کی ترقی بھی رک جائے گی' واپسی میں قلعہ چنار کا لینا پھر دشوار نہ ہوگا' مشورہ معقول تھا' لیکن نوجوان افسروں نے اصرار کیا کہ اول قلعہ چنار پر حملہ کرنا چاہیئے' سامنے شکار چھوڑ کر آگے بڑھنا جوانمردی اور صیّادی کے خلاف ہے' ہمایوں نے دونوں فریق کی رائے سنکر کہا کہ میں خود جوان ہوں' اس لئے جوانوں کی رائے کو پسند کرتا ہوں' یہ کہکر قلعہ چنار کی طرف پیشقدمی کی' اور اسے محصور کر لیا' چھ مہینہ برابر محاصرہ رہا' قطب خاں کی جوانمردی نے ہمایونی سپاہ کے دانت کھٹے کر دیئے' آخر کار رومی خاں (عثمانی ترک) میر آتش نے (جو اپنے آقا سلطان گجرات کو چھوڑ کر ہمایوں سے مل گیا تھا) ایک نئی چال اختیار کی' اپنے ایک حبشی غلام کو خوب مار کر مجروح کیا' اور اُسے سمجھا کر افغانوں کے پاس بھیجا کہ میری شکایت اُن سے کرکے' اُن کی ہمدردی حاصل کرے' اور ان کو فریب دیکر قلعہ کے غیر مستحکم مقامات سے واقفیت حاصل کر کے چلا آئے' تدبیر کارگر ہوئی' غلام روتا پیٹتا

ہوا قلعہ کے اندر داخل ہوا، افغانوں کو اپنا مجروح جسم دکھا کر اپنے آقا کی شکایت کی، انہوں نے اس کا ہمدردی کے ساتھ علاج کرایا، جب وہ چاق ہو گیا تو ایک روز افغانی سرداروں سے کہا کہ رومی خاں میرا آتش کا شاگرد ہوں، مجھ کو اپنے لشکر کے فراز و نشیب سے آگاہی ہے، قلعہ کے اندر مجھ کو لے چلو، میں تم کو ایسی جگہ بتاؤں جہاں سے کامیابی یقینی ہے، افغانی سردار اس فریب کو نہ سمجھے، اور اُسے قلعہ کے اندر لے جا کر مقامات دکھا دیئے، اس نے کہا کہ میں کل تدبیر کروں گا، رات کو بھاگ نکلا اور اپنے آقا کے پاس پہونچکر قلعہ کے حالات ظاہر کر دیئے، رومی خاں نے کشتی پر مورچے بنائے، اور کشتی کو آب رواں پر لے جا کر قلعہ کی دیوار کے نیچے لگایا، قطب خاں نے اگرچہ توپوں سے اُسے نقصان پہنچایا، تاہم اُن آتشیں مورچوں نے اپنا کام مکمل کیا، یعنے دیوار کا حصہ گرا دیا، اب باشندگان قلعہ کو طلب امن کے سوا چارہ نہ رہا، ان کو امن دی گئی، اور قلعہ ہمایوں شاہ کے قبضہ میں آیا، معاہدہ امن کے بعد ہمایوں کے افسروں نے نہ صرف غلطی کی بلکہ آئین جنگ کے خلاف یہ کام قابل ملامت کیا کہ محصورین گولہ اندازوں میں سے تین سو جوانوں کے ہاتھ قلم کرا دیئے، لیکن ہمایوں نے سوائے معمولی تنبیہ و تہدید کے اس خلاف ورزی کی پاداش میں کوئی قابل عبرت سزا نہ دی۔/

جب شیر خاں چنار گڈھ سے نکل کر جھارکھنڈ کی طرف آیا ہے تو اس نے وہاں کے قلعہ کو اپنے اہل وعیال اور سپاہ کے قیام کے لئے ناکافی پایا، غور کے بعد اس نے قلعہ رہتاس[۵۱] کو اس قابل سمجھا کہ وہ تمام سپاہ کا مضبوط مامن ہو سکتا ہے، اور یہ قلعہ قریب بھی تھا جس کا مالک اور قابض راجہ ہرکشن تھا، اس کے نائب چورامن سے شیر خاں کی دوستی تھی اُس کے ذریعہ سے قلعہ حاصل کرنے کے لئے شیر خاں نے نامہ و پیام شروع کیا، حصار قلعہ،

---

[۵۱] قلعہ رہتاس در ہند نظیرے ندارد، اگر قلاع دو ہند بنظر مولف در آمدہ است ہمچو رہتاس قلعہ دیدہ نہ شد در عرض و طول زیادہ دو از پنج کروہ است (فرشتہ)

اور نواح قلعہ اس قدر مستحکم اور دشوار گذار تھا، کہ جنگی تدابیر سے اُس کا حاصل کرنا اُس وقت ناممکن تھا۔ قلعہ کے ناقابل تسخیر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سلاطین ہندمیں سے کسی نے بھی اس قلعہ پر کبھی حملہ نہیں کیا، بقول فرشتہ اُس کا طول و عرض پانچ کوس مربع تھا، ابھی قلعہ کے متعلق سلسلہ پیام جاری تھا کہ شیر خاں کو ایک طرف سے چتار گڈھ کے مفتوح ہو جانے اور دوسری طرف سے خواص خاں سلیہ لار کے گور کی خندق میں ڈوب کر مرجانے کی اطلاع پہونچی، گو اُسے پریشانیاں لاحق ہوئیں، لیکن ارادہ اور طبیعت کا اس قدر مضبوط تھا کہ اُس کے پائے استقلال کو ذرا جنبش نہیں ہوئی، اور اپنے کاموں میں برابر مصروف رہا

قلعہ گور کی فتح، اور قلعہ رہتاس پر شیر خاں کا قبضہ

چتار گڈھ سے زیادہ قلعہ گور اور رہتاس کا ہاتھ آنا شیر خاں کے نزدیک اعلیٰ اور اہم کامیابی تھی، اس لئے فوراً خواص خاں کے بھائی صاحب خاں کو خواص خاں کا خطاب دیکر شیر خاں نے قلعہ گور کی طرف روانہ کیا، اور تاکید کی کہ ہر ممکن وسائل سے قلعہ پر جلد قبضہ کیا جائے، خواص خاں ثانی، دو، دو تین، تین، منزلیں ایک روز میں طے کرتا ہوا گور کی فصیل کے نیچے پہونچ گیا، جلال خاں (پسر شیر خاں) پہلے سے وہاں موجود، اور مصروف محاصرہ تھا، خواص خاں نے کہا کہ میں آج ہی قلعہ پر حملہ کرتا ہوں، جلال خاں نے امدادی سپاہ کی خستگی پر نظر کرکے دوسرے روز حملہ آور ہونے کی رائے دی، خواص خاں نے کہا کہ اعلیٰ حضرت شیر خاں کا حکم فوری حملہ

---

۵۱ خواص خاں کا نام شیر شاہی عہد میں اسطرح روشن ہے جسطرح بیرم خاں خانخاناں کا نام عہد اکبری میں روشن تھا، زندگی کی طرح وفات میں بھی دونوں کا قریب قریب یکساں تعلق نظر آتا ہے جسطرح خواص خاں کا آفتاب اقبال غروب ہوا اسطرح خان خاناں کا بھی ستارہ عظمت عروج پاکر سنہ عہد اکبری میں زوال پذیر ہوا، خواص خاں کی ذات با برکات کی وہ بے مثال ہستی تھی جسکی فتوحات میں نصرت الٰہی ہمیشہ رفیق رہی، شجاعت میں رستم، سخاوت میں حاتم ثانی تھا، عوام اُس کو ولی اللہ بھی کہتے ہیں، اسی بنا پر خواص خاں کا دہلی کے نام سے زیادہ شہرت ہے، سلیم شاہ نے اس کی قدر نہ کی، اس کی عام قبولیت کے اثر سے خوفزدہ رہا، آخر میں عادل خاں کا ہمراہ بنے تھا دیا پھر سلیم شاہ کی طرف رجوع بھی ہوا، تاج خاں حاکم سنبھل نے اپنے ہاں مہمان رکھکر بہ ایما سلیم شاہ قتل کیا، نعش دہلی میں لاکر دفن کیگئی، جہاں خواص خاں ولی کے نام سے اُس کا مزار مشہور ہے ۱۲

کاہے، اور یہی حکم ہماری رائے پر مقدم ہے، یہ کہکر اور فوج کو ترتیب دیکر اُس نے سخت ترین حملہ کیا، ابھی جلال خاں کا لشکر موقع پر پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ خواص خاں قلعہ کے اندر فاتحانہ داخل ہوگیا، اس کامیابی سے خواص خاں کی شہرت بنگالہ کی چار دیواری سے نکلکر اطراف ہند میں پھیل گئی، بعد محمود شاہ والیِ بنگال مفرور ہوا، تعاقب میں رسالہ گیا جس نے محمود شاہ کی ہمراہی سپاہ کو بھی منتشر کردیا، اور محمود شاہ کو بھی مجروح کیا، زندگی تھی محمود شاہ نکل کر ہمایوں کے پاس مستغیثانہ حیثیت سے پہونچا،

یہاں سے جلال خاں نے فتح نامہ شیر خاں کو بھیجا، وہاں چورامن کی کوششوں سے قلعہٗ رہتاس شیر خاں کے ہاتھ آیا، جو چنار گڈھ کا بہترین نعم البدل تھا، فرطِ مسرت میں اس نے سجدہٗ شکر الٰہی ادا کرتے ہوئے نہایت اطمینان سے اپنے اہل وعیال اور منتشر افواج کو قلعہ کے اندر محفوظ کیا،

بہار وبنگال کے متعلق ہمایوں کا مطالبہ

چنار گڈھ پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں نے آگے بڑھکر شیر خاں کے فاتحانہ سیلاب کو روکنا چاہا، اس ارادہ سے آگے بڑھ کر جب دریائے سون کے کنارے پہونچا تو اُس کو اطلاع ملی کہ قلعہ گور پر شیر خاں کا قبضہ ہوگیا اور محمود شاہ والیِ بنگال مجروح ہوکر فرار ہوگیا، صوبہٗ بنگال کو ایک شاداب اور زرخیز علاقہ سمجھکر ہمایوں نے اس کی تسخیر کا مصمم ارادہ کیا، رفع حجت کے لئے پہلے اُس نے حسین ترکمانی کو ایلچی بناکر شیر خاں کے پاس بھیجا، اور پیغام دیا کہ تخت وچترِ شاہی، اور خزینہ شاہ ہند کے حوالہ کرکے ولایت بنگالہ، رہتاس، اور بہار کو خالی کردے، معاوضہ میں چنار گڈھ، اور جونپور بطور جاگیر دیا جائے گا، شیر خاں کا نشۂ سلطنت، جاگیر کی ترشی سے اُترنے والا نہ تھا، نہ وہ ایسی طفل تسلیوں سے اپنا شکار چھوڑ سکتا تھا، جواب میں کہلا بھیجا کہ ہزاروں افغانوں کی نقد جان کے عوض میں بزور تیغ میں نے بہار وبنگال کا ملک حاصل کیا ہے، معمولی جاگیر کے عوض میں اُن علاقوں کو آپ کے حوالے کرنا، افغانی غیرت وشجاعت کے خلاف ہے،

افغانی مورخین کا بیان ہے کہ شیر خاں نے ولایت بہار سے اس شرط کے ساتھ دست بر داری منظور کر لی تھی کہ ملک بنگال اس کے قبضہ میں رہے، ہمایوں نے بھی اس شرط کو قبول کرتے ہوئے ثبوت میں گھوڑا اور خلعت بھی شیر خاں کے پاس بھیجدیا تھا، جسے دیکھکر وہ بظاہر مسرور ہوا، لیکن اس کا ضمیر ہمایوں کی طرف سے تکمیل و تعمیل معاہدہ پر مطمئن نہ تھا،

وکیل بنگالہ کی آمد

شیر خاں کا خیال سچ نکلا، ابھی باہمی معاہدہ کو چار روز بھی نہ گذرے تھے کہ سلطان محمود والی بنگال کا وکیل، ہمایوں کی خدمت میں بنارس پہونچا، اور عرض کی کہ گو دار السلطنت "گور" مفتوح ہو کر شیر خاں کے قبضہ میں جا چکا ہے، لیکن ابھی بنگال کا بہت سا علاقہ شیر خانی تصرف سے باہر ہے، افغانوں کے قدم ابھی پورے طور پر جمے بھی نہیں اور اُن کو شاہی مداخلت کا بھی خوف لگا ہوا ہے، والی بنگال اپنی پوری قوت سے شاہی امداد کے لئے موجود ہے، اگر ہمایونی افواج کا رُخ اُدھر پھیر دیا جائے، بعض کہتے ہیں کہ خود محمود شاہ بھی مستغیثانہ قصبہ منیر میں ہمایوں کے پاس پہونچ گیا تھا، بہر حال محمود شاہ یا وکیل بنگالہ کی تقریر سے ہمایوں کی باچھیں کھل گئیں، بنگالہ ہاتھ آنے کی خوش آیند خبر نے کاغذی معاہدہ، اور حلفیہ قول و قرار کو ایک دم اُس کے دل سے بھلا دیا۔ ع

بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند

ہمایوں نے فوج کشی کا مصمم ارادہ کیا، دوسرے روز منتخب سرداروں کو مخصوص مقامات اور نیز شیر خاں کی طرف روانہ کرکے خود بھی بنگال کی جانب روانہ ہو گیا، مشیروں نے بارش کی مشکلات کا معقول عذر کرکے ہمایوں کو روکنا چاہا، مگر آبِ و ہوائے بنگال کی تمنا نے اُس کے ارادہ کو فسخ نہ ہونے دیا۔

شیر خاں کی ہمایوں کے وکیل سے گفت گو

ابھی ہمایونی وکیل شیر خاں ہی کے پاس تھا کہ اُس کو وکیل بنگال کی آمد اور اس کی ترغیبانہ گفتگو، نیز بادشاہ کی نقل و حرکت کی خبر لگی، فوراً شاہی وکیل کو اپنے پاس طلب کرکے تمام حالات سے اُسے آگاہ کیا

اور کہا کہ الحمد للہ میری طرف سے عہد شکنی کی ابتدا نہیں ہوئی، مجھکو دنیا خلاف ورزی کا الزام نہیں دے سکتی، ملک بہار کو میں نے اپنی جوہر دار تلوار کے زور سے حاصل کیا ہے، مغلوں کا عطیہ نہیں ہے، تاہم اپنی خیر خواہی کے ثبوت میں اُسے اس امید پر ہمایوں کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو گیا تھا کہ ہندوستان کا سرحدی صوبۂ بنگال، شاہی حریصانہ نگاہ سے بچا ہوا رہے، اب ہمایوں کی عہد شکن طبیعت نے اُس پر بھی نظر کی ہے، جس کا فاتح میں ہوں میرے پاس افغانوں کی وہ سورما جماعت ہے، جس کی اتحادی آہنی زنجیر کو مغلوں کی نفاقی طاقت توڑ نہیں سکتی، اب جنگ ناگزیر ہے، جس کی ذمہ داری ہمایوں پر ہے نہ کہ مجھ پر، آیندہ چند روز میں زمانہ خود دیکھ لے گا کہ

ہر کہ گردن بہ دعوی افرازد
خویشتن را بگردن اندازد

شیر خاں کا خفیہ طور پر گور کی طرف جانا

غرض اس قسم کی نرم وگرم گفتگو کر کے عزت کے ساتھ وکیل کو شیر خاں نے رخصت کر دیا، اس کے بعد اُس نے اپنی فوج کا بڑا حصہ ہمایوں روانہ کر کے خود سواروں کے چند دستوں کو ہمراہ لئے ہوئے خفیہ طور پر قلعہ گور کی طرف روانہ ہو گیا ہمایوں نے جن فوجی افسروں کو شیر خاں پر مامور کیا تھا وہ باوجود تلاش وجستجو اُس کے پتہ لگانے میں ناکام رہے،

سیف خاں اور شیر خاں کی گفتگو

بنگال کی حدود میں (گڈھی) ایک مقام ہے، جہاں سے قلعہ گور (لکھنوتی) جانے کا راستہ ہے، یہ جگہ شیر خاں کے قبضہ میں آچکی تھی، اس کی طرف سے یہاں کا حاکم سیف خاں اچل خیل شروانی تھا، وہ اپنے اہل وعیال کو لئے ہوئے قلعہ رہتاس کو جا رہا تھا، کہ اتفاقاً شیر خاں سے ملاقات ہو گئی، شیر خاں نے اُس سے کہا کہ ہمایوں کا لشکر تعاقب آرہا ہے، اس وقت سفر کرنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، سیف خاں

ط ولایت بہار و بنگالہ کا مشہور سرحدی مقام ہے، جسے سیکری گلی بھی کہتے ہیں ۱۲

نے عرض کی کہ اعلیٰ حضرت امیر، اور افغانی جماعت کے سردار ہیں، اور ہم سپاہی ہیں، ہم کو ہماری جانوں سے زیادہ عزیز آپ کا وجود ہے، اس لئے ہماری یہ رائے ہے کہ آپ ہمارے اہل و عیال کو ہمراہ لیکر قلعہ رہتاس جائیں، ہم اور ہمارے بھائی گڈھی کے دروازہ پر ٹھہر کر ہر ممکن کوششوں سے شاہی لشکر کو اُس وقت تک آگے نہ بڑھنے دیں گے جب تک آپ کا اور شاہی افواج کا درمیانی فاصلہ بعید نہ ہو جائے، شیر خاں نے اس وفاداری پر تحسین کی، اور کہا کہ تھوڑی سپاہ سے ایک منظم لشکر کو روکنے کی جسارت کرنا دانشمندی کے خلاف ہے، لیکن سیف خاں کا جانبازانہ اصرار غالب آیا، اور شیر خاں نے قلعہ رہتاس کی راہ لی۔

سیف خاں کی ہمایونی سپاہ سے جنگ

سیف خاں کی جوانمردانہ ہمت و جرأت پر آفریں ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی مختصر جمعیت سے گڈھی کے دروازہ پر ٹھہرا ہو گیا، ہمایوں کی ہراول سے اُس کا مقابلہ ہوا، جم کر لڑے اور تقریباً سب مارے گئے، سیف خاں زخمی ہو کر ہمایوں کے سامنے پیش ہوا، ہمایوں نے اُس کی شجاعت اور نمک حلالی کی داد دی، اور پھر اُس کی خواہش کے مطابق اُس کو شیر خاں کے پاس بھیجدیا۔

شیر خاں نے یہ واقعہ سُنا تو فوراً کشتی کے ذریعہ سے گور پہنچا، گور کے قلعہ میں جو کثیر خزانہ ہاتھ آیا تھا، اُسے بحفاظت رہتاس پہونچانا چاہا، خواص خاں اور جلال خاں اپنے بیٹے کو دس ہزار سوار کے ہمراہ گڈھی کی طرف روانہ کرکے ہدایت کی کہ تم لوگ اس وقت تک شاہی افواج کو مصروف جنگ رکھنا کہ خزانہ رہتاس منتقل ہو جائے۔

ہمایونی مقدمۃ الجیش سے جلال خاں کی جنگ

جلال خاں ملیغار کرتا ہوا گڈھی کے اندر داخل ہو گیا، اس عرصہ میں ہمایوں کا مقدمۃ الجیش بھی پہونچ گیا، اور وہ گڈھی کے قریب خیمہ زن ہو کر محفوظ و محصور سپاہ پر عرصہ تک حملے کرتا رہا، نتیجتاً محاصرین ہی کو زیادہ نقصانات پہنچتے رہے، کئی بار مغلوں نے طعنے دیئے کہ افغانی جوانمردوں کا یہ کام نہیں ہے کہ عورتوں کی طرح پناہ میں رہیں، باہر نکل کر ہنرمندی کے جوہر دکھانے والے جوانمرد ہوا کرتے

ہیں، ایک روز جلال خاں نے مغلوں کی یہ گفتگو خود سُنی، افغانی غیرت کا شعلہ بھڑک اُٹھا، دریائے شجاعت سینہ میں جوش مارنے لگا، شمشیر بکف ہوکر اپنے ماتحت سرداروں سے کہا کہ کل یہ تلوار فیصلہ کرے گی کہ مرد میدان کون ہے، رفیقان صادق نے روکا کہ دس بارہ ہزار سپاہ سے ہمایوں کے کثیر لشکر کا مقابلہ کرنا نہ صرف احتیاط کے خلاف ہے بلکہ اعلیٰ حضرت شیر خاں کے ارشاد، اور تدابیر جنگ کے بھی منافی ہے جلال خاں کی حرارت افسروں کی مصلحت آمیز تقریر سے اور دونی ہوگئی اور کہا کہ

تو در من چہ نرم آہنی دیدۂ
کہ پولاد او را پسندیدۂ

مرد جو زبان سے کہتے ہیں اُسے پورا کئے بغیر قدم پیچھے نہیں ہٹاتے، فتح و شکست قدرت کے اختیار میں ہے، کثرت افواج اور مصالح جنگی پر موقوف نہیں ہو،

من آنکہ عناں باز پیچم ز راہ
کہ با سرو ہم پاستانم کلاہ

جلال خاں کی فتح دوسرے دن آفتاب عالمتاب نے اپنا شعاعی نیزہ لئے ہوئے اُفق آسمان سے سر نکالا ہی تھا کہ جلال خانی سیف مغلوں کے سروں پر چمکنے لگی، بڑے زور کا رن پڑا، سپاہ کے حواس باختہ ہوگئے، ہر طرف الامان کا شور تھا، دار و گیر کا غلغلہ بلند تھا، افغانی تلواروں نے خون کے دریا بہا دیئے جس کے سیلاب میں مغلوں کی نعشیں تیر رہی تھیں ~

زبس خوں کہ گرد آمد اندر مغاک
چو گو گرد سرخ آتشیں گشت خاک

اس صحیح روایت کے خلاف اکبر نامہ وغیرہ میں مورخین تیموریہ حسب عادت خیر خواہی یوں لکھتے ہیں کہ بھاگلپور سے بادشاہ نے چھ ہزار فوج بیرم خاں وغیرہ سرداروں کے ہمراہ گڑھی روانہ کی کہ وہ جلال خاں کو روکے، ابھی فوج نے مقام مقصود پر پہونچکر ہتھیار بھی نہ کھولے

تھے کہ جلال خاں نے حملہ کر دیا، گو بیرم خاں نے افغانی سپاہ کو کئی بار زک دی، لیکن شاہی سپاہ کی بے ترتیبی سے چند نامی سردار شہید ہوئے، اور فوج شاہی کو شکست ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس جنگ میں بڑے بڑے نامور اور سورما قتل ہوئے، افواج کا بیشتر حصہ وہیں کھیت رہا، عام جنگی ساز و سامان اور ہاتھیوں کے علاوہ بارہ[12] ہزار گھوڑے افغانوں کے ہاتھ آئے، مورخین لکھتے ہیں کہ کوئی افغان ایسا نہ تھا، جس کے حصہ میں کم سے کم چار گھوڑے نہ آئے ہوں، جلال خاں کامیابی کا نقارہ بجاتا ہوا، اور شکر الٰہی ادا کرتا ہوا واپس آگیا، یہاں سے نامۂ فتح و کامیابی شیر خاں کے پاس بھیجا گیا، اور وہاں سے ہزیمت نامہ ہمایوں کی خدمت میں بھیجا گیا، ایک طرف بزم مسرت آراستہ ہوئی، دوسری طرف مجلسِ غم:

چنیں است رسم سرائے فریب
گہے بر فراز و گہے بر نشیب

گور کے خزانہ کا رہتاس میں منتقل ہونا شیر خاں نے گور میں پہنچ کر تلاش و جستجو سے تمام خزانہ فراہم کیا، خزانہ اس قدر وافر تھا کہ یہاں بس کوئی الوقت باربرداری کے لئے جانور نہ ملنے کے فکر و تردد میں تھا کہ جلال خاں کا نامۂ فتح اسے ملا، دونوں طرف کی مسرتوں سے دل باغ باغ ہو گیا، جلال خاں کو لکھا کہ جس قدر جانور مالِ غنیمت میں ملے ہیں فوراً اُن کو روانہ کرے۔ تعمیل ہوئی، اور عجلت کے ساتھ خزانہ گور سے منتقل ہو کر قلعہ رہتاس پہنچ گیا،

گور پر ہمایوں کا قبضہ شیر خاں کا ابھی پورا اور کامل تسلط ملک بنگال میں ہونے نہ پایا تھا کہ ہمایوں نے مداخلت کی۔ شیر خاں نے سوچا کہ ہمایوں جیسا زبردست بادشاہ اس کا رقیب بن کر اس کے استیصال و پامالی پر کمربستہ ہے، اس وقت بارش کا زمانہ بھی ہے باقاعدہ جنگ سے کوئی نتیجہ نہیں۔ طرح دینی ہی مصلحت ہے، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہمایوں نوجوان، اور عیش پرست ہے، اس لئے گور میں جس قدر شاہی ایوانات تھے اُن سب کو نہایت اعلیٰ نقش و نگار اور عشرتی ساز و سامان سے آراستہ کر کے رہتاس چلا آیا، اور گدھی سے

جلال خاں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔

۹۴۵ھ کے اخیر میں ہمایوں نے سُنا کہ شیر خاں قلعۂ گور اور گڈھی کو خالی کر کے اپنے مستقر کو چلا گیا ہے، افواج لئے ہوئے بڑھا اور بڑھکر بلا مزاحمت گور میں داخل ہو گیا، گور کا نام جنت آباد رکھا، محلات شاہی کو نگار خانۂ چین پا کر پاؤں پھیلا دیئے، عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا، اسطرح چھ مہینے اور بقول بعض نو مہینے اُس نے بیکار گذار دیئے، اور جو مقصد شیر خاں کا تھا اُس کے لئے راستہ کھل گیا۔

بنارس پر شیر خاں کا قبضہ شیر خاں نے دیکھا کہ ہمایوں آج کل نشۂ عیش و سرور میں مدہوش ہے، فوراً کیل کانٹے سے درست ہو کر بنارس کی تسخیر کے ارادہ سے نکلا۔ ہوشیاری یہ کی کہ کچھ فوج قلعۂ گور کے اطراف میں بھیجدی کہ وہ شاہی امدادی فوج کو بنارس آنے سے روکے اور گور میں رسد رسانی کے وسائل کو بند کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ یہ حکمت عملی کارگر ہوئی، رسد کے راستے مسدود ہونے سے شہری اور فوجی آدمیوں کو پریشانی لاحق ہوئی، اُس وقت مشیران خاص کے ہوشیار کرنے سے ہمایوں جاگا، اور کچھ فوج شیر خاں کے مقابلہ کے لئے روانہ کی، جس نے شکست کھائی۔

ملک بہار، لکھنؤ، مانکپور وغیرہ مقامات پر شیر خاں کا قبضہ ادھر بنارس کو شیر خاں نے محصور کیا، دوسری طرف قلعۂ منگیر پر خواص خاں نے حملہ کیا، اور بہت جلد اُسے فتح کر لیا۔ اس وقت منگیر کا حاکم دلاور خاں لودی المخاطب بہ خانخاناں یوسف خیل تھا، (یہ وہی خانخاناں ہے جو بابر کو کابل سے ہندوستان لایا تھا) خواص خاں سپہ سالار خانخاناں کو گرفتار کر کے شیر خاں کے پاس لایا۔ خواص خاں[۱] کو خدا نے وہ نصرت عطا کی تھی کہ جدھر رُخ کرتا فتح ہاتھ باندھکر ہمرکاب ہوتی، اس کے پہونچتے ہی بنارس پر بھی قبضہ ہو گیا، اب شیر خاں

---

[۱] فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں! (خواص خاں در شجاعت رستم زمان و در سخاوت حاتم دوراں بود، واہل ہند اورا از جملۂ اہل اللہ و اولیا می شمارند و ادرا خواص خاں ولی میگویند) شیر شاہی امرا میں اسوقت خواص خاں کے ہم پلہ دوسرا امیر نہ تھا نہ اُسکے برابر کسی کی جاگیر تھی۔ ۱۲

نے اپنی فتوحات کو وسعت دی، لکھنؤ، مانکپور گڑھ، جونپور، بہرائچ، اور سنبھل وغیرہ صدر مقامات پر
چیدہ چیدہ افسروں کو مامور کیا، جنھوں نے تھوڑے عرصہ میں ہر طرف شیر خانی حکومت کا
سکہ بٹھا دیا، اس کے بعد ولایت بہار کی باری آئی، اپنے مخالفوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر
دوبارہ شیر خاں نے اس پر بھی قبضہ کیا، مغلوں کی مدافعت ہر جگہ ناکام رہی۔

اس عام کامیابی کے بعد شیر خاں نے اپنی سپاہ کو رہتاس پر جمع کرنا شروع کیا، لشکر
کے فراہم ہو جانے کے بعد جائزہ لیا تو ستر ہزار سوار و پیادے اور پانسو ہاتھی تھے۔

ہمایوں آگرہ سے بنگال کو جس وقت روانہ ہوا تھا، اُس وقت اپنے بھائی مرزا ہندال
کو بطور قائم مقام چھوڑ آیا تھا، جب تقدیر کا پانسہ پلٹتا ہے تو خویش بیگانے، دوست دشمن،
یار اغیار بن جاتے ہیں۔

مرزا ہندال کی بغاوت اور ہمایوں کا بنگال سے آگرہ کی طرف روانہ ہونا مرزا ہندال نے جب ہمایوں کے مغلوبی کے آثار دیکھے
سلطنت کا سودائے خام اُس کے سر میں جوش
مارنے لگا، شیخ بہلول حاکم آگرہ کو قتل کر کے باغیانہ رفتار اختیار کی، ہمایوں نے سنا تو پہلے اپنے
گھر کا بندوبست کرنا چاہا، شیر خاں کی طرف سے توجہ ہٹا کر بنگال سے سیدھا آگرہ کی طرف
متوجہ ہوا۔

شیر خاں کا جنگ کے لئے آمادہ ہونا بارش کا زمانہ تھا، بکسر کے قریب دریائے گنگ طغیانی پر تھا، فوج
کے گذرنے کے لئے ہمایوں نے پل باندھنے میں دو مہینے صرف کر دیے
افواج میں علیحدہ بیماری و بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ کوہ رہتاس سے نکل کر شیر خاں نے اپنے
افغانی جانبازوں سے مشورہ کیا کہ شکار دام کے قریب آگیا ہے، خستہ اور درماندہ بھی ہے
کیا تم لوگوں کی رائے ہے کہ وہ بچ کر نکل جائے، سبھوں نے متفق ہو کر جواب دیا کہ اعلیحضرت
کا ستارۂ اقبال عروج پر ہے، فتح و نصرت ہم رکاب ہے، جو آپ کی تجویز ہے وہ ہمارا ارادہ ہے۔
آج بہترین افغان شیر خانی علم کے نیچے ہیں، جن کی تلواروں کی آنچ کے سامنے مغلوں کا

ٹھہرنا مشکل ہے، اس کا ثبوت بارہا ہمارے بازوؤں نے میدان جنگ میں دیا ہے، اور آج
اُس سے بڑھکر ثبوت بسالت و جوانمردی دینے کو حاضر ہیں ع

ہیں میداں ہیں چوگاں ہیں گوئے

افغانی سرداروں کی اس جوابی تقریر سے شیر خاں مستعد ہو گیا، ترتیب کے ساتھ اپنی افواج کو ہمایوں کی طرف حرکت دی، جس منزل پر قیام ہوتا، وہاں خام قلعہ ضرور تیار کیا جاتا، اور قلعوں کی تعمیر میں عام لوگوں کے ساتھ خود شیر شاہ بھی پھاوڑہ اور کدال لے کر ساتھ ہوتا، اُس کی اس مستعدی اور جفاکشی نے عام افواج کو جفاکش بنا رکھا تھا، غرض ہر منزل پر خام قلعے مکمل ہوتے گئے، یہ فوجی ترکیب بہت کارآمد ثابت ہوئی۔

ہمایوں اور شیر خاں میں پہلی جنگ ہمایوں نے شیر خاں کی نقل و حرکت کی خبر سُنی تو وہ آگرہ جانے کا قصد ملتوی کر کے شیر خاں کی طرف متوجہ ہوا، ہمایوں کا لشکر جونسہ میں پہنچا ہی تھا کہ دور سے گرد و غبار نظر آیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شیر خانی لشکر تیز رفتاری کے ساتھ شاہی افواج کی سمت آرہا ہے، ہمایوں نے سرداران تاتاری سے مشورہ کیا۔ کسی نے یہ رائے دی کہ لڑائی میں عجلت اور اضطراب مناسب نہیں ہے، مویدبیگ نے کہا کہ شیر خاں کا لشکر اٹھارہ انیس کوس سے آرہا ہے، خستہ و درماندہ ہے، اور شاہی فوج تازہ دم ہے، اس لئے آج ہی حملہ کر دینا چاہئے، ہمایوں نے پہلی رائے کو پسند کیا، جس سے افواج میں مایوسی و آزردگی پھیل گئی۔

شیر خاں نے گنگا کے کنارے پہنچکر قیام کیا، اور شبا شب اپنی افواج کے گرد خندقیں کھودیں، اور مورچے بنائے، اب ہمایوں کے لئے آگے بڑھنے کا موقع نہ تھا، دو ڈھائی مہینے ہمایوں رُکا رہا، تاہم دونوں لشکروں کے قراولوں میں لڑائیاں ہوتی رہیں، جن میں بیشتر ہمایونی سپاہ غالب رہی۔

اسی زمانہ میں ایک آسمانی آفت یہ نازل ہوئی کہ بارش کثرت سے ہوئی، ہوا تند و تیز

چلی انھیں نے کمک اور رسد رسانی کا راستہ بھی بند کر دیا' لشکروں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ شیر خاں کے قلعہ کا ایک حصہ پانی میں ڈوب گیا' جس کی وجہ سے وہ اپنی فوج کو دو تین کوس پیچھے بلند مقام پر ہٹا لے گیا' اور کچھ فوج وہیں چھوڑ گیا' مختصر لڑائیاں اس درمیان میں بھی جاری رہیں۔

شیر خاں' ہمایونی افواج کی تعداد اور اس کی استعداد پر نظر کر کے وہی اگلی چال چلا' اور وکیل کے ذریعہ سے ہمایوں کو پیغام بھیجا کہ اگر اب بھی ولایت بنگال سے دست برداری کا عہد کیا جائے تو شاہی اطاعت سے انحراف نہ ہوگا لیکن یہ عہد پہلے معاہدہ کی طرح کمزور نہ ہو' بعض مورخین کا قول ہے کہ ہمایوں نے خود اپنے کو مجبور و محصور پا کر ملا محمد کو ایلچی بنا کر شیر خاں کے پاس گفتگوئے مصالحت کے لئے بھیجا تھا' جس وقت ہمایونی وکیل شیر خانی لشکر میں پہنچا تو اس نے یہ دیکھا کہ شیر خاں کے ہاتھ میں کدال ہے' اور وہ عام فوجی آدمیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف ہے' وکیل کو دیکھکر وہیں زمین پر بیٹھ گیا' پیغام سن کر جواب دیا کہ تم اپنے بادشاہ سے کہدو کہ آپ لڑنا چاہتے ہیں اور آپ کی سپاہ لڑائی سے جان چراتی ہے۔ میں لڑنا نہیں چاہتا لیکن میری فوج جنگ کیلئے بیقرار ہے۔

بالآخر مصالحت کی گفتگو ہوئی' شرائط صلح میں بھی مورخین کا اختلاف ہے' مورخ مخزن افغانی صرف قلعہ چنار گڈھ دیا جانا لکھتا ہے' ملا عبدالقادر بدایونی صوبۂ بنگال اور مورخ فرشتہ بنگال و بہار دونوں صوبے دئے جانے کی قرار داد ہونا بیان کرتے ہیں' اسی طرح نقد و خراج' اور سکوں اور خطبوں میں شیر خاں کے نام کے اندراج کی بابت اختلافات ہیں' بہر حال یہ طے شدہ امر ہے کہ فریقین میں صلح کی بابت گفتگو ہوئی' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمایوں کی ضدی طبیعت اور اس کی شاہانہ نخوت نے ایسی ذلیل شرائط پیش کیں کہ جن کو شیر خاں سے کم درجہ کا انسان بھی منظور نہ کرتا۔

بظاہر اس وقت شیر خاں کا دل صاف تھا اور سچ بھی یہی ہے کہ شیر خاں نے

مقبوضات بابری و ہمایونی پر اس وقت تک کوئی دست درازی نہیں کی تھی، بہار و بنگال دونوں صوبے پہلے سے خود مختار تھے، جن کو اس نے افغانی خون کے معاوضہ میں حاصل کیا تھا، ہمایوں کی حریصانہ استبدادیت بیجا تھی۔

بعض مورخین کا قول ہے کہ ہمایوں نے شیر خاں کے سند بنگالہ کے سوال پر یہ جواب دیا کہ اس وقت سند دیئے جانے کا وعدہ کیا جا سکتا ہے جبکہ شاہی لشکر کے سامنے سے شیر خانی لشکر تین منزل پرے ہٹ کر اپنے قدیم مرکز پر چلا جائے۔

شیر خاں بابر ہی کے زمانہ سے مغلوں کی نا اعتمادی پر رائے قائم کر چکا تھا، ہمایوں کی گزشتہ عہد شکنی نے اس کے اس خیال کو اور بھی مستحکم کر دیا، اس لئے اس کا ضمیر ہمایوں کے اس آخری جوابی پیغام سے مطمئن نہیں ہوا، تاہم جنگی چال کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمایوں کے ارشاد کی تعمیل میں پیچھے ہٹنا شروع کیا، اور اس کو پورا موقع دیدیا کہ شاہی لشکر دریا کے اس پار آجائے، ہمایوں نے راستہ صاف پایا اور اپنی سپاہ کا کچھ حصہ پل سے پار اتار دیا

صبح کا وقت تھا، حریف پیمان شکن کو زیر کرنے کا موقع اس سے بہتر شیر خاں کو ملنا دشوار تھا، اس وقت ہمایوں کی فوج زیادہ منظم بھی نہ تھی، افسروں میں اتفاق نہ تھا، سپاہ خستہ اور خودسر تھی، با ایں ہمہ ہمایوں، شاہی اور نوجوانی کے غرور میں علیحدہ مست تھا اس کے خلاف شیر خاں ایک ہوشیار و تجربہ کار جنرل کی طرح فریق مخالف کی افواج کی نقل و حرکت، ان کے خیالات، جنگی ساز و سامان، اور جنگی مواقع سے واقفیت حاصل کرنے میں ہر وقت مصروف رہتا، جب اسے یقین ہو گیا کہ افغانی اتفاق و اتحاد، اور ان کی جان نثارانہ رفاقت کو قدرت کے سوا غنیم کی طاقت توڑ نہیں سکتی۔

ہمایوں کی شکست | تو ۹ صفر ۹۴۶ھ (۲۶ جون ۱۵۳۹ء) میں بہادرانہ جوش و خروش کے ساتھ اٹھا افغانی سورما تیغ و سناں کو تولے ہوئے اس کے پیچھے تھے، ہمایوں نے بھی اپنی افواج کو حرکت دی شیر خاں نے عام حملہ کا حکم دیدیا، افغانی دباؤ سخت تھا، مغلوں نے لاکھ اپنے کو سنبھالنا

چاہا لیکن سنبھل نہ سکے، پیچھے دریائے گنگ، اور سامنے افغانی افواج کا آتشیں پہاڑ تھا نتیجہ یہ نکلا کہ آٹھ ہزار ہمایونی سپاہ پل ٹوٹ جانے کی وجہ سے دریا میں غرق ہوئی، ہزاروں آدمی قتل ہوئے ہزاروں نے راہ فرار اختیار کی، خود ہمایوں بھی سراسیمگی اور یاس کی حالت میں نازنینان حرم کو چھوڑ کر بھاگا، راستہ نہ ملنے سے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا، لیکن گھوڑا ران کے نیچے سے نکل گیا، نظام سقہ[1] نے فوراً پہنچکر مدد کی اور اُس کو ڈوبنے سے بچایا، ہمایوں نے نام پوچھا اُس نے کہا نظام، ہمایوں نے کہا تو اس وقت میرے لئے نظام اولیا ہے، غرض اس جنگ میں بابر کے زمانہ کی تقریباً کل تاتاری سپاہ کام آگئی، اور خود ہمایوں آگرہ پہنچ گیا۔

حرم ہمایوں کی گرفتاری شیر خاں فاتحانہ کروفر سے جس وقت میدان جنگ میں مقتولین اور مال غنیمت کا جائزہ لے رہا تھا اتفاقاً اُس کی نگاہ حاجی بیگم حرم ہمایونی پر پڑی، جو اپنی سہیلیوں کی جماعت کے اندر مضطربانہ اور مایوسانہ حالت میں کھڑی ہوئی تھی، دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے اترا، پہلے عاجزی کے ساتھ خدائے قدوس کے آگے سربسجود ہوکر اس کی بندہ نوازی کا شکریہ ادا کیا، اس کے بعد سجدہ سے سر اُٹھا کر شریف معتمدین کو حکم دیا کہ سلطانی حرم کو ادب و احترام کے ساتھ خیمہ میں پہنچا کر حفاظت کی جائے، اور کسی مغل عورت پر دست اندازی نہ کی جائے، حکم کی فوراً تعمیل ہوئی، جب اطمینان نصیب ہوا، اُس وقت عام عورتوں کو حفاظت کے ساتھ آگرہ بھیجدیا، اور حرم سلطانی کو چند خواصوں کے ہمراہ قلعہ رہتاس روانہ کردیا جہاں اُس کے مراتب کے موافق مہمانداری ہوتی رہی۔

بیرم خاں (جسے عہد اکبری میں خانخاناں کا خطاب ملا تھا) نے اس لڑائی میں وفاداری

---

[1] یہ وہی نظام سقہ ہے جسے ہمایوں نے اپنی جان بچانے کے صلہ اور ایفائے عہد میں آگرہ پہنچ کر آدھے دن کی شاہی عطا کی تھی، اور اس نے اپنی اس یادگار میں چرمی سکہ جاری کیا تھا ۱۲

کے ساتھ جانبازی کے خوب جوہر دکھلائے، لیکن قسمت نے یاوری نہ کی، میدانِ جنگ سے بھاگ کر سنبھل میں میاں عبدالوہاب[۵۱]، وہاں سے راجہ مترسین والیِ لکھنؤ کے یہاں پناہ میں چلا گیا، باقی تذکرہ آگے آتا ہے۔

بشارت نبوی صلعم اس کامیابی کے بعد شیر خاں نے اپنے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ رات کو میں نے خواب دیکھا ہے، کہ میں اور ہمایوں شہنشاہ کونین حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ساتھ ساتھ پیش ہوئے، حضور نے ہمایوں کے سر سے تاج شاہی لیکر مجھ کو اس شرط کے ساتھ عنایت فرمایا کہ میں عدل و داد کے ساتھ حکومت کروں، سنکر ہر ایک نے مبارکباد عرض کی، اور شاد کام اپنے خیموں میں واپس گئے۔

اس خواب کی تائید خود ہمایوں کے اقوال سے بھی ہوتی ہے، کہ اس نے قنوج کی ہزیمت کے بعد میر رفیع الدین صفوی رح سے آگرہ میں اور حضرت مجدد الدین سرہندی رح سے سرہند میں بیان کیا تھا کہ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ مردانِ غیب میری افواج سے لڑتے اور ان کے گھوڑوں کی باگیں موڑتے تھے۔

چوتھا باب

شیر شاہ کی تخت نشینی، ہمایوں کی دوبارہ شکست، ہندوستانی اضلاع میں شیر شاہی فوج اور اسکی وفات

شیر شاہ کی تخت نشینی سنہ ۹۴۶ھ / ۱۵۳۹ء کی عظیم فتح کے وقت شیر خاں کے پاس بڑے بڑے معتمد اور

---

۵۱ میاں عبدالوہاب، میاں عزیز اللہ خاں رئیس سنبھل کے بیٹے، اور مسند عالی عیسیٰ خاں کے دوستوں میں سے تھے نصیر خاں حاکم سنبھل کے خوف سے بیرم خاں کو زیادہ دن اپنے پاس نہ رکھ سکے، اور اسے لکھنؤ بھیجدیا۔

معزز امرائے عہد گو وہی موجود تھے، جن کو اُس کی اقبال مندی نے اپنے عَلَمِ امارت کے سایہ میں لاکر جمع کر دیا تھا، اُن میں سے خانِ اعظم مسند عالی عمر خاں[51] شروانی، مسند عالی عیسےٰ خاں شروانی نے شیر خاں کو تخت نشینی کی رائے دی، جسے غور و تامل کے بعد اُس نے منظور کر کے اطرافِ ہند میں احکام جاری کئے، شاہ عالم شیر شاہ اپنا شاہی لقب تجویز کر کے سکہ مسکوک کرایا، خطبہ میں نام کا اضافہ ہوا، سات روز تک شاہانہ بزمِ مسرت قائم رہی، مستحقین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا، افسروں نے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں، عام افغانوں نے اپنے اپنے قومی مراسم کے مطابق اظہارِ مسرت کے جلسے کئے، جگہ جگہ سے تہنیت نامے آئے، فقراء و مساکین کو کھانے کھلائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ مشیتِ ازلی نے ایک سپاہی کو سپہدار، ایک باجگذار کو تاجدار، ایک شہری کو شہریار، ایک چاکر کو آقا، ایک ذرہ کو آفتاب بنا کر ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بنا دیا۔

کسے را کہ حق کامگاری دہد
عجب نیست گر شہریاری دہد

ہمایوں کی یہ پہلی شکست، ایسی شکست نہ تھی کہ ایک دم ہمت ہار کر ہندوستان سے کوچ کر جاتا، آگرہ پہونچ کر بھائیوں سے ملا، ان سے مصالحانہ گفتگو کی، گو دلوں میں صفائی نہ تھی، لیکن اُس وقت ہندوستان کی عنانِ حکومت ایک غیر مغل کے ہاتھ میں دیکھنا بھی اُن کو گوارا نہ تھا، حالاتِ وقت سازگار نہ دیکھ کر شیر شاہ کے مقابلہ کے لئے سب متفق اور متحد ہو گئے، یہاں سپاہ کی فراہمی اور ان کی ترتیب کا کام شروع ہو گیا وہاں شیر شاہ نے صوبہ جاتِ ہند پر سیاوتی و سیاسی اثر ڈالنے کے سلسلہ میں گجرات اور مالوہ کے اطراف میں مسند عالی عیسےٰ خاں کو مہارتہ[52] و بہار کی طرف امیر الامراء خواص خاں کو بنگال کی سمت، جلال خاں جلوانی کو اٹاوہ

---

۵۱ یہ وہی عمر خاں ہیں جنکی ملازمت میں حسن خاں (شیر شاہ کا باپ) ملتوں ہا دو پنجاب میں ابتداءً انکی بدولت جاگیردار بھی ہوا ۱۲

۵۲ بعض تاریخوں میں اس کا نام جبرو، بعض میں جورد، اور بعض میں جبرو مہارتہ لکھا ہے، یہ ایک بڑا ڈاکو اور صاحب

کی جانب قطب خاں کو، اسی طرح دیگر بلاد و امصار کی جانب مشہور افسروں کو مامور کیا جنھوں نے مخالفوں کو زیر کر کے شیر شاہی سکہ جما دیا۔

ہمایوں اور شیر شاہ میں دوسری جنگ

آٹھ مہینے کی مسلسل تیاری کے بعد ہمایوں چاق ہو کر شیر شاہ کے مقابلہ کے لئے پھر آمادہ ہو گیا، ایک لاکھ کا ٹڈی دَل ہمراہ لئے ہوئے، ندامت آمیز غصہ میں دریا کی طرح جوش مارتا ہوا اور رعد صفت گرجتا ہوا قنوج کی طرف بڑھا، شیر شاہ کو ہمایوں کے ارادہ کی خبر ہوئی تو اپنے بیٹے قطب خاں کو لکھا کہ کالپی سے فوراً روانہ ہو کر مالوہ پہونچے، وہاں کے مقامی حکام سے مدد لیکر آگرہ اور دہلی کے نواح میں ہمایونی لشکر کا سدّ راہ ہو، ہمایوں کو قطب خاں کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے بھائیوں مرزا عسکری اور مرزا ہندال کو کچھ فوج دیکر اس کی مزاحمت کے لئے مالوہ کی طرف روانہ کیا، جن کا مقابلہ قطب خاں سے نواح چندیری میں ہوا، فریقین میں لڑائی ہوئی قطب خاں پسر شیر خاں مارا گیا، جس سے اس کا لشکر منتشر ہو گیا، دونوں بھائی کامیاب ہو آگرہ لوٹ آئے۔

شیر شاہ نے سُنا تو اس کو اپنے جوان بیٹے کے مقتول ہونے کا سخت صدمہ ہوا، اور اس واقعہ کو حکام مالوہ کی عدم اعانت اور غفلت پر اس نے محمول کیا، شیر شاہ بحد مستقل مزاج تھا اس نے کسی پر اپنے جذبات غم کا اظہار نہ ہونے دیا اور اپنی جنگی چالوں میں برابر مشغول رہا۔

جب ہمایوں قنوج کے قریب پہونچ گیا، اس وقت شیر شاہ بھی پچاس ہزار سواروں کو ساتھ لیکر اس کے استقبال کو نکل کر دریائے گنگ کے دوسرے کنارے خیمہ زن ہوا، حریفوں کے درمیان دریائے گنگ حائل تھا، اس لئے فی الوقت کوئی جنگ نہیں ہوئی، اس درمیان میں ہمایوں کو مزید کمک پہونچ گئی، جس سے اس کی فوجی قوت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا

(بقیہ صفحہ ۵۹) جمعیت غارتگر تھا، کوہستان جھار کھنڈ اس کا مامن تھا، شیر خانی لشکر کو اس نے بہت زیادہ پریشان کیا تھا، خواص خاں عرصہ تک اس کے تعاقب میں رہا، بڑی دشواری سے ہاتھ آیا اور قتل ہوا ۱۲

بھی ہمایوں میں جارحانہ پیش قدمی کی ہمت نہ تھی، دوسری طرف شیر شاہ بھی خواص خاں کے انتظار میں (جو جبرو مہارٹھ کے تعاقب میں گیا ہوا تھا) لڑائی کو عمداً ٹالتا رہا، اس طرح تقریباً تین مہینے گذر گئے، جب شیر شاہ کو اطلاع ہوئی کہ خواص خاں مع لشکر قریب آ گیا ہے اس وقت ہمایوں کو پیغام دیا کہ افغانی جانباز جنگ کے لئے بیقرار ہیں، جنگی بازیگری کا لطف جب ہے کہ یا تو مجھے اس پار آنے کی اجازت ہو، یا آپ اس پار آنے کی تکلیف گوارا فرمائیں ہمایوں نے متکبرانہ انداز میں ایلچی کو جواب دیا کہ میں خود اس پار آتا ہوں، شیر خانی لشکر کو دو تین کوس پرے ہٹ کر میدان خالی کر دینا چاہیے، شیر شاہ اسی بات کا منتظر تھا، تین چار کوس پیچھے اپنی فوج ہٹالے گیا، حمید خاں نامی شیر شاہی سردار نے ہمایونی افواج کی کثرت سے خوف زدہ ہو کر رائے دی کہ ہمایوں کی فوج پورے طور پر اس پار نہ پہونچنے پائے کہ حملہ کر دیا جائے شیر شاہ نے حقارت کے ساتھ اس کی تجویز کو مسترد کر دیا اور کہا کہ گو لڑائی میں مکر و خدیعت جائز ہے، اور میں نے اس پر عمل بھی کیا ہے، لیکن اس وقت جبکہ میرے پاس کافی سپاہ نہ تھی، اب کہ میں طاقتور فوج کا سپہ سالار ہوں، اس لئے ایسا کرنا افغانی جرأت اور شجاعت کے خلاف ہے، اگو میری سپاہ ہمایونی سپاہ سے نصف ہے۔ لیکن ؎

نیست بر خاطر غبارے از پریشانی مرا
خانۂ فتح است چوں شمشیر عریانی مرا

ہمایوں کی شکست ماہ محرم ۹۴۷ھ کی دسویں تاریخ تھی، حریفوں نے مقابلہ کے لئے افواج کو حرکت دی، خواص خاں امیر الامرا نے ہمایوں کے مقدمۃ الجیش کو تاکا اور اس زور کا حملہ کیا کہ مقدمۃ الجیش سپاہ کا منہ پھر گیا، اور اسے شکست ہوئی، دوسری طرف سے شیر شاہی میمنہ پر کاری ضرب لگی، شیر شاہ نے فوراً امداد کی جس کی بروقت مداخلت سے میمنہ سپاہ کے پاؤں جم گئے، اور مقابل فوج کو ہزیمت ہوئی، اب عام حملہ شروع ہو گیا، ہزاروں تلواریں ایک ساتھ میدان جنگ کے افق پر چمکنے لگیں، جن کے ٹکرانے سے شرارے نکل رہے تھے، اور

زمین خونی سیلاب سے لالہ زار بن گئی تھی، اس وقت فوجی دریاؤں کے مد و جزر سے میدان
ایک تلاطم خیز منظر کی صورت میں تبدیل ہو گیا تھا۔

کسی فریق نے بسالت و شجاعت دکھانے میں کمی نہیں کی، شیر شاہی فوج اس وقت
اگرچہ ایک لاکھ کے مقابلہ میں نصف یعنے پچاس ہزار تھی، مگر تنظیم، اور جوش و خروش مردانہ
کے لحاظ سے افضل تھی نہایت زور کا رن پڑا حق یہ ہے کہ شیر شاہ کی جنگی قابلیت
اس کی ذاتی بہادری، اور موقعہ بہ موقعہ حوصلہ افزا تقریروں نے افغانی سپاہ کو مرد سے
جوانمرد، چالاک سے چالاک تر بنا کر ان کا شیرازۂ اتحاد آہنی زنجیروں میں ایسا جکڑ دیا
تھا کہ اس فوجی مد و جزر کی حالت میں بھی منتشر نہ ہو سکا، مغلوں نے سخت ترین شکست
کھائی، اور فرار ہوئے، گو ہمایوں کی فوج اس موقع پر تعداد میں زیادہ تھی لیکن استعداد میں کم تھی
مگر ہمایوں کی ذاتی شجاعت قابل آفریں ہے کہ وہ تنہا میدان جنگ میں پہاڑ کی طرح
عرصہ تک قائم رہ کر حملہ آوروں کے حملوں کو روکتا رہا، آخر میں اس کو بھی ہٹنا پڑا اور
آگرہ کی سمت بھاگ گیا، کہتے ہیں کہ اس خونریز جنگ میں خواص خاں اور ہیبت خاں،
نیازی سرداران شیر شاہی کی تنہا تلواروں نے جو کام کیا وہ کثیر لشکر سے بھی نہ ہو سکا،
اس جنگی ہلچل میں ہمایوں کی سپاہ کا ایک حصہ قتل ہوا، دوسرا مفرور و اسیر، تیسرا حصہ
پل ٹوٹنے کی وجہ سے دریا میں غرق ہو گیا۔

ہمایوں کا تعاقب اور اضلاع ہند پر شیر شاہی تسلط

شیر شاہ نے میدان جنگ سے فرصت پا کر برمزید گور (ایک افغانی افسر) کو ہمایوں کے تعاقب آگرہ بھیجا،
شجاعت خاں والی بہار کو لکھا کہ فوراً پہنچ کر گوالیار کا محاصرہ کرے، ناصر خاں کو سنبھل کی
طرف بھیجا، اسی طرح خاص خاص افسروں کو انتظاماً جگہ جگہ اس نے روانہ کیا، ہمایوں
نے آگرہ پہنچ کر شیر شاہی فوج کی آمد آمد سنی تو وہاں سے نکل کر لاہور چل دیا، برمزید گور نے
آگرہ پہنچ کر بیدردی کے ساتھ باقیماندہ مغلوں کو قتل کیا، عین واقعہ قتل کے بعد شیر شاہ بھی

آگرہ پہنچ گیا، برمزید گور کی بربریت اور سفاکی پر سخت غصہ ہوا ملامت و گوشمالی کی، اور سمجھایا کہ غیر جنگی اور شہری لوگوں کو قتل کرنا آئین جنگ کے قطعی مخالف ہے، برمزید گور نے معذرت کی، شیرشاہ نے معاف کر دیا۔

ہمایوں کی نقل وحرکت سے مطلع ہو کر شیرشاہ نے خواص خاں اور برمزید گور کو فوج دیکر اس ہدایت کے ساتھ پنجاب روانہ کیا کہ ہمایوں کے عقب میں پچاس کوس کے فاصلہ سے کوچ کرتے رہیں، یہاں تک کہ وہ سلامتی کے ساتھ ہندوستانی حدود سے نکل جائے، شیرشاہ کی یہ ہدایت اس کے شریفانہ طرز عمل کا بین ثبوت ہے، ورنہ کسی دشمن کو زندہ چھوڑ کر آیندہ اپنے لئے خطرہ باقی رکھنا اصول حکمرانی کے منافی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پندرہ سولہ سال ہی کے اندر ۹۶۲ھ ہمایوں دوبارہ تخت دہلی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا،

شیرشاہ افغانی سرداروں کو جابجا روانہ کرکے خود دہلی آگیا۔

ہمایوں اور مرزا کامراں لاہور پہونچے، وہاں اُن کو مغلوں کی تازہ دم فوج ملی اُنہوں نے دعویٰ کیا کہ ہمارا مقابلہ افغانوں سے ہو تو ہم شاہی ہزیمت کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ ہمایوں نے اِدھر اُدھر سے مزید سپاہ فراہم اور سازِ جنگی تیار کرکے انہیں روانہ کیا، شیرشاہ کو خبر ہوئی تو خواص خاں کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا، سلطانپور میں فریقین جنگ آزما ہوئے۔ مغلوں کو پھر شکست نصیب ہوئی، مرزا کامراں نے کابل کی راہ لی اور ہمایوں ملتان کی طرف بھاگ گیا۔

شیرشاہ نے منتخب افسروں کو اُسی ہدایت کے ساتھ ہمایوں کے تعاقب میں روانہ کیا کہ دو تین منزل ہمایوں سے پیچھے رہیں، یہاں تک کہ ہمایوں حدود ہند سے نکل جائے، ہمایوں کے لشکر کا کچھ حصہ کابل جا رہا تھا، اتفاقاً خواص خاں سے اس کا مقابلہ ہو گیا، مغلوں میں لڑائی کی سکت باقی نہ تھی، نشان و نقارہ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی، خواص خاں نے

ہمایونی نشان کو بطور تحفہ شیرشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد شیرشاہ نے لاہور پر قبضہ کیا۔ ملتان، اور گکھڑوں[1] کی ولایت میں گھس کر مخالفوں کو پامال کرتا ہوا، اور اپنا تسلط قائم کرتا ہوا واپس آگیا۔ اسی زمانہ میں خواص خاں کو شیرشاہ نے مسند عالی امیرالامرا کا خطاب دیکر مع ہند اسے جاگیر میں عطا کیا، اور پنجاب کی حکومت بھی عنایت کی۔ قلعہ رہتاس کی بنیاد رکھی۔

خضر خاں حاکم بنگالہ کی گوشمالی

اسی اثنا میں شیرشاہ نے سنا کہ خضر خاں حاکم بنگال نے سلطان محمود بنگال کے آخری بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کر کے صدر نشینی کی رسم شان و شوکت سے ادا کی ہے (بنگالی زبان میں اس رسم کو رسم ٹوکی کہتے ہیں) اس اطلاع سے وہ متردد ہوا کہ کہیں آیندہ خودمختاری کے لباس میں جلوہ گر نہ ہو، فوراً بنگال کی سمت نہضت کی۔ خضر خاں نے مطیعانہ استقبال کیا، لیکن اس اطاعت شعاری سے شیرشاہ کا جلال کم نہ ہوا، خضر خاں کے ہاتھوں اور پاؤں میں آہنی زنجیریں پہنا کر مخاطب ہوا۔ کہ جس ماتحت افسر کو شاہی استمزاج کے بغیر اس قسم کی جرات ہو اس کی سزا یہی ہے۔ اس کے بعد بنگال کی تنظیم و تنسیق کر کے مکمل طور پر اپنی سیادت قائم کی، اور قاضی فضیلت کو وہاں کا منتظم مقرر کر کے، آگرہ واپس آگیا۔

ہمایوں کی بیگم کی روانگی کابل کو

ہمایوں کی نسبت جب شیرشاہ کو اطمینان کامل ہو گیا کہ وہ کابل پہنچ گیا ہے اس وقت اس کی حرم محترم حاجی بیگم کو (جو اب تک عزت کے ساتھ قلعہ رہتاس میں شاہی مہمان تھی) ادب و احترام کے ساتھ معتمدین سرداروں کے ہمراہ کابل پہنچا دیا۔

شیرشاہ نے اپنے اس شریفانہ سلوک کے صلہ میں عام لوگوں اور خود ہمایوں سے خراج تحسین وصول کرنے میں اعلیٰ اخلاقی کامیابی حاصل کی۔ خود علامہ ابوالفضل لکھتا ہے۔

---

[1] گکھڑ قوم پنجاب کے شمالی اضلاع میں اس وقت بکثرت آباد، اور سرکش قوم تھی۔ ۱۲

"شیر خاں آن عصمت قباب را و بکمال صیانت و پردہ پوشی بہ آبروئے تمام روانہ ساخت" (اکبر نامہ)۔

شیر شاہ کا دورہ مالوہ میں

لاہور، بنگال بہار وغیرہ صوبہ جات کے انتظام سے فرصت پاکر شیر شاہ نے ۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء میں صوبہ مالوہ کی طرف توجہ کی، جہاں اُس وقت متفرق فرمانروا تھے۔ ملو خاں[1] قادر شاہ کے لقب سے مانڈو، اُجین اور سارنگ پور میں مستقل شاہی پیکر میں جلوہ گر تھا۔ سکندر خاں اضلاع ہنڈیا اور سیواس میں، راجہ پرتاب نابالغ کی نیابت میں، بھیّا پورنمل، چندیری اور رائسین میں، بھوپال سنگھ بیجا گڈھ میں آزادی کا علم بلند کئے ہوئے تھے۔

آگرہ سے چل کر پہلے گوالیار پہونچا، ہمایونی قلعہ دار ابوالقاسم نے اظہار اطاعت کرکے قلعہ اُس کے حوالہ کیا، وہاں سے روانہ ہوکر قلعہ گاگرون[2] آیا، یہاں سے شیر شاہ نے رام سہائے راجہ گوالیار کو پورنمل کے بلانے کو رائسین بھیجا، پورنمل نے کہا کہ میں حاضری کے لئے آمادہ ہوں بشرطیکہ شجاعت خاں میرے لینے کو آئے، شاہی ایما سے شجاعت خاں خود گیا اور پورنمل کو ساتھ لایا، شیر شاہ نے اُس کی فرمانبردارانہ حاضری سے خوشنود ہوکر سو گھوڑے اور سو پارچہ کا خلعت عطا کیا۔ جب پورنمل بادشاہ کو اپنی اطاعت کا یقین دلا چکا تو شاہی اجازت سے اپنے بھائی چتر بھوج کو شیر شاہ کی خدمت میں چھوڑ کر رائسین واپس آگیا، شیر شاہ گاگرون سے چل کر سارنگ آیا، یہاں ملو خاں والی مانڈو کا وکیل استقبال کے لئے پہلے سے حاضر تھا، اُس نے عرض کی کہ ملو خاں اطاعت مندی کے ساتھ منزل بمنزل بادشاہ کے سلام کو آرہا ہے۔ شیر شاہ نے شجاعت خاں کو اُس کے استقبال کے لئے بھیجا اور خود اپنے خیمہ میں شاہی دربار آراستہ کرکے شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز ہوا، ملو خاں

---

[1] سلاطین خلجیہ مالوہ کے غلاموں میں سے تھا ۱۲

[2] موجودہ زمانہ میں گاگرون ریاست کوٹہ کے محکمانہ رقبہ میں ہے، گاگرونی طوطے اسی قلعہ کے مشہور ہیں ۱۲

کی حاضری پر شیر شاہ نے اُس سے پوچھا کہ تیرا شاہی ڈیرہ کہاں ہے، اُس نے جواب دیا کہ میں تنہا حاضر ہوا ہوں، شہنشاہی خیمہ میرا ڈیرہ ہے، اگر اُس کی جاروب کشی کی خدمت مل جائے تو عین سعادت ہے۔ شیر شاہ اس گفتگو سے خوش ہوا، اور شجاعت خاں کو حکم دیا کہ شاہی خیمہ کے قریب اس کے لئے سُرخ سراپردہ نصب کیا جائے، شاہی حکم کی فی الفور تعمیل ہوئی، ملّو خاں شاہی مہمان کے طریقہ سے رہنے لگا، سارنگ پور سے کوچ کے وقت شیر شاہ نے ملّو خاں کو اپنے لشکر کی ترتیب دکھلائی، جسے دیکھکر وہ مرعوب ہوگیا۔ شیر شاہ سارنگ پور سے اوجین روانہ ہوا، ملّو خاں ہمراہ تھا، اُس نے دیکھا کہ سپاہ ہر منزل پر پہونچکر اپنی فرودگاہ کے گرد خندق کھودتی ہے، کہیں خام قلعہ بناتی ہے، تو ایک روز اس نے سپاہ سے دریافت کیا کہ حالت امن میں اس قدر محنت کیوں گوارا کرتے ہو، افسران سپاہ نے جواب دیا کہ یہ ہمارا روزانہ تفریحی مشغلہ ہے، ہماری طرح ہمارا بادشاہ بھی روزانہ یہی مشغلہ رکھتا ہے، آرام آسائش عورتوں کا کام ہے، مردوں کو ہمیشہ محنت وریاضت کا عادی رہنا چاہئیے، یہ لشکر اور روزانہ کی حالت دیکھکر ملّو خاں ہیبت زدہ ہوگیا اور کہا کہ جب بادشاہ اور اس کی فوج کی محنت وجفا کشی کا یہ عالم ہو اُس کا دوسروں سے مغلوب ہونا ناممکن ہے، اس نے دل میں یہ بھی خیال کیا کہ مبادا اُسے بھی اس قسم کا کام لیا جائے۔

اوجین پہونچنے پر شیر شاہ نے سکندر خاں میانی حاکم سیواس کو حاضر پایا، اوپر بیان ہوچکا ہے کہ جس وقت ہمایوں نے آگرہ میں جمعیت بہم پہونچاکر قنوج کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا تھا، اُس وقت شیر شاہ نے اپنے بیٹے قطب خاں کو لکھا تھا کہ مالوہ کے حکام سے فوجی امداد لیکر ہمایونی افواج کا سدِّ راہ ہو، اس سلسلہ میں مالوہ کے جملہ مقامی حکام کو بھی فرمان بھیجے تھے کہ قطب خاں کو کافی امداد دی جائے۔ شاہی زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ برابر والے کو جب خط لکھتے تھے، تو شاہی مُہر خط کی پشت پر لگائی جاتی تھی، اور محکوم کے نام فرامین کے اوپر اور

محکوم کی طرف سے عرضداشت کے نیچے مہریں ثبت ہوتی تھیں، اُسی عمل کے مطابق شیر شاہ نے حکام مالوہ کے موسومہ فرامین پر مہریں پیشانی پر ثبت کرائیں، قادر شاہ (ملّو خاں) نے شیر شاہی فرمان کے جواب میں جو خط لکھا اس پر اس نے خلاف قاعدہ اوپر مہر لگا دی، شیر شاہ نے اس فعل کو ملّو خاں کی گستاخی پر محمول کیا، اور خط سے مہر شدہ کاغذ کا حصہ چاک کر کے اپنی تلوار کے میان میں رکھ لیا، لوگوں نے سمجھا کہ خیر نہیں، یہ انتقام کی علامت ہے، ملّو خاں بھی شیر شاہی انتقام کا احساس کئے ہوئے تھا، اور اسی وجہ سے وہ اطاعت مندی کے ساتھ حاضر بھی ہوا تھا، اور یہی وہ نکتہ تھا جس کی بنا پر خود شیر شاہ نے بھی اپنے لشکر کی ترتیب اُسے دکھلائی تھی، مگر اُس وقت شیر شاہ نے ملّو خاں کی ندامت آمیز معذرت پر اُسے معاف کر دیا تھا۔

اوجین پہونچکر شیر شاہ نے ملّو خاں کو کالپی کی سند حکومت حوالہ کی، اور اُس کی خواہش پر باربرداری کے لئے جانور بھی مہیّا کر دیئے، لیکن ملّو خاں پر شیر شاہی رعب اس قدر غالب ہو چکا تھا کہ رات کے وقت، شتربانوں، سائیسوں، اور پاسبانوں کو شراب پلا کر اور انھیں مدہوش کر کے شباشب وہاں سے فرار ہو گیا۔

صبح ہوتے ہی شیر شاہ کو اُس کی فراری کی اطلاع ہوئی سنکر او ربرجستہ یہ مصرع موزوں کر کے پڑھا ع با ما چہ کرد دیدی ملّو غلام گیدی :. شیخ عبدالحی شاعر دربار ابن جمالی شاعر نے دوسرا مصرعہ موزوں کر کے فی الوقت پڑھا ع قول نبیست مرتضیٰ رالا خیر فی العبیدی :. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شیر شاہ کو موزونیِ کلام پر بھی قدرت تھی مگر وہ شاعری کے لئے پیدا نہیں ہوا تھا۔

غرض ملّو خاں کی فراری سے سلطان نہایت غصہ ہوا، اور اس واقعہ کو اُس نے شجاعت خاں کی غفلت پر محمول کر کے اسی کو تعاقب میں روانہ بھی کیا، لیکن وہ ناکام رہا، اور ملّو خاں شاہ گجرات کی خدمت میں پہونچا۔

خانخاناں بیرم خاں کی حاضری اور شیر شاہ سے اُسکی گفتگو | اسی زمانہ میں مسند عالی عیسےٰ خاں

ضرور تا سنبھل گیا ہوا تھا، میاں عبدالوہاب رئیس سنبھل کی زبانی معلوم ہوا کہ بیرم خاں، متر سین
لکھنؤ کے راجہ کی پناہ میں تھا، نصیر خاں حاکم سنبھل نے وہاں سے بیرم خاں کو بلوالیا
ہے، اور وہ عنقریب اُسے قتل کرنا چاہتا ہے، عیسےٰ خاں کو رحم آیا اور اُسے نصیر خاں کے
پنجۂ قتل سے بچا کر اپنے ہمراہ لئے ہوئے، شیر شاہ کی خدمت میں اوجین پہونچا، شیر شاہ چونکہ خود
بہادر تھا اس لئے بہادروں کا قدردان بھی تھا، ہمایوں کے ساتھ اُس نے جس بہادرانہ
وفاداری کا اظہار کیا تھا، اُس سے شیر شاہ واقف ہو چکا تھا، ملاقات کے وقت عیسیٰ خاں
سے شیر شاہ نے دریافت کیا کہ اب تک یہ (بیرم خاں) کہاں تھا، جواب میں عیسیٰ خاں نے
نے کہا کہ شیخ ملھن قتال کے ہاں پناہ گیر تھا، شیر شاہ نے کہا کہ جو شخص شیخ ملّھن کے ہاں پناہ
لے اُس کا قصور معاف ہے، عیسےٰ خاں نے عرض کی کہ شیخ کے طفیل میں بیرم خاں کا خون معاف
ہوا، میری سفارش سے اسے خلعت عطا ہو، اُسی وقت خلعت بھی دیا گیا، اس کے بعد
بیرم خاں سے وفا اور اخلاص کی بابت دیر تک گفتگو رہی، دوران تقریر میں شیر شاہ کی زبان
سے یہ فقرہ نکلا "ہر کہ اخلاص دارد خطا نمیکند" جواب میں بیرم خاں نے کہا کہ "چنین است
ہر کہ اخلاص دارد خطا نخواہد کرد" شیر شاہ سمجھ گیا کہ یہ ہمایوں کا اب تک ویسا ہی مخلص
اور ہوا خواہ ہے۔

ابوالقاسم قلعہ دار گوالیار بھی اسی زمانہ میں شیر شاہ کے لشکر میں تھا، اُس کے خیمہ
کے پاس بیرم خاں کا بھی ڈیرہ عیسےٰ خاں نے نصب کرا دیا، لیکن ایک رات موقعہ پاکر
بیرم خاں اور ابوالقاسم دونوں بھاگ گئے، گجرات سے شیر شاہی قاصد واپس آرہا تھا
اُس کو خبر مل گئی تھی کہ دونوں فرار ہو گئے ہیں، اتفاقاً راستہ میں اس کو دونوں مل گئے، قاصد
نے ابوالقاسم کے تن و توش سے قیاس کیا کہ یہی ابوالقاسم ہے، اُسے گرفتار کر لیا، بیرم خاں
کی رفاقت پر آفرین ہے، اُس نے کہا کہ میں ابوالقاسم ہوں، اور یہ میرا چاکر ہے اُسے چھوڑ
دے، اور مجھے گرفتار کرے، ابوالقاسم کہتا تھا کہ نہیں میں ہی ابوالقاسم ہوں اور یہ میرا چاکر

ہے، غرض دیر تک ؏ مرا بگذار و دست یار من گیر: کا اعادہ ہوتا رہا، ابوالقاسم کی موت آچکی تھی قتل ہوا، بیرم خاں گجرات کی طرف بھاگ گیا، اور وہاں سے سندھ ہوتا ہوا ہمایوں کے پاس افغانستان چلا گیا، بیرم خاں جب خانخاناں ہوا تو وہ منت پذیری لہجہ میں کہا کرتا تھا کہ عیسےٰ خاں نے میری جان بچائی ہے، کاش وہ میرے پاس آتا تو کم سے کم سنبھل کا علاقہ اُسے جاگیر میں دیدیتا، مگر آفریں ہے عیسےٰ خاں اور اس کی اولاد کو کہ انھوں نے بیرم خاں کا ممنون ہونا گوارا نہیں کیا۔

ملو خاں کی فراری شجاعت خاں کی غفلت پر محمول کی گئی، اس لئے مانڈو کی حکومت اُس سے واپس لیکر ہنڈیا، اور سیواس کا علاقہ اُسے حوالہ کیا گیا جو پہلے سکندر خاں کے پاس تھا، سکندر خاں نے حکومتوں کی تبدیلیوں سے شیر شاہ کا ارادہ اپنی معزولی پر محمول کیا، اور فرار ہو گیا۔

دریا خاں وزیر گجراتی کی آمد اسی زمانہ میں شیر شاہ کی قدر دانی کی شہرت سنکر دریا خاں گجراتی وزیر سلطان محمود شاہ گجراتی اور عالم خاں سردار گجراتی گجرات سے قطع تعلق کرکے شیر شاہ کی خدمت میں آئے، علیٰ قدر مراتب اُن کی تعظیم و تکریم کی گئی، اس سے زیادہ یہ سلوک کیا گیا کہ دریا خاں کو اوجین، اور عالم خاں کو سارنگ پور کی سند حکومت عطا کی گئی۔

اوجین سے واپسی میں شیر شاہ نے قلعہ رنتھنبور[۱] (آج کل سوائے مادھو پور علاقہ جے پور کے محکومانہ رقبہ میں واقع ہے) کی طرف رُخ کیا جہاں اُس وقت ملو خاں کی طرف سے عثمان خاں قلعہ دار تھا، اُس نے شیر شاہ کی اطاعت کی، اور قلعہ کی کنجیاں حوالہ کر دیں

---

[۱] رنتھنبور، لفظ رن، اور تھنبور سے مرکب ہے، جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ میں نے رنتھنبور کو دیکھا، رن اور تھنبور پہاڑوں کے نام ہیں، جو برابر واقع ہوئے ہیں، اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ رن پہاڑ کو کہتے ہیں اور تھنبور یعنی جوشن پوش کے ہیں، چونکہ کوہ رن کے اردگرد پہاڑیاں متعدد ہیں، اس لئے اُسے جوشن سے نسبت دیکر رنتھنبور مشہور کیا ۱۲

شیر شاہ نے قلعہ اپنے بیٹے عادل خاں کی خواہش پر اُسے حوالہ کیا اور خود آگرہ چلا آیا۔

نصیر خاں اور شجاعت خاں کی جنگ

شیر شاہ کی واپسی کے بعد، سکندر خاں کے بھائی نصیر خاں نے چھ ہزار سوار، اور دو سو ہاتھیوں سے شجاعت خاں پر چڑھائی کردی اُس وقت شجاعت خاں کے پاس صرف دو ہزار سوار تھے، تاہم وہ اپنی جوانمردی سے مقابلہ کے لئے نکلا، نیل گڈھ پر فریقین میں جنگ ہوئی، نصیر خاں کی طرف سے سید عمر، سید طاہر اور کوی کرن، تین جوان شجاعت خاں کے زندہ گرفتار کرنے کی قسم کھاکر آگے بڑھے، ایک نے شجاعت خاں کے قریب پہنچ کر خنجر کا وار کیا، دوسرے نے نیزہ مارا، تیسرے نے تلوار مارکر شجاعت خاں کے سر کے بال پکڑ لئے، شجاعت خاں نے پھرتی سے تلوار نکال کر اس آخرالذکر شخص کا ہاتھ قلم کردیا، اور آزاد ہوگیا، باقی دو حملہ آوروں کو شجاعت خاں کے رفیقوں نے گھیر کر قتل کردیا، اس کامیابی سے شجاعت خاں کا سرنگوں علَم پھر سیدھا ہوگیا منتشر سپاہ نے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر دوبارہ حملہ کیا، حملہ اس قدر تند اور تیزی کے ساتھ کیا گیا کہ نصیر خاں کے چھ ہزار سواروں کے منہ پھر گئے، ہاتھی چنگھاڑ کر اُلٹے بھاگے جس سے اُس کی فوج اور تہ و بالا ہوئی، نصیر خاں جان سلامت لیکر بھاگا، اور شجاعت خاں منصور و مظفر ہنڈیا واپس آگیا۔

ملّو خاں اور شجاعت خاں کی جنگ

یہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ملّو خاں کالپی کی حکومت پروانہ ہونے سے پیشتر فرار ہوگیا تھا، اور تلاش سے بھی اس وقت نہیں ملا اب اُس کا حال سُنو کہ وہ اوجین سے بھاگ کر سیدھا گجرات پہنچا، شاہ گجرات سے امدادی فوج لیکر مانڈو (دارالحکومت مالوہ) پر حملہ آور ہوا، مقابلہ کی طاقت نہ دیکھکر حاجی خاں حاکم مانڈو قلعہ بند ہوگیا، شجاعت خاں کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ ایسے تنگ وقت میں حاجی خاں کی امداد سے پہلوتہی کرے، گو نصیر خاں کی جنگ میں وہ مجروح ہوچکا تھا، زخم بھی ابھی تازہ تھے، تاہم اس حالت میں اپنے سواروں، اور ان دو سو ہاتھیوں سے (جو نصیر خاں کی جنگ

میں بطورِ مالِ غنیمت اُس کے ہاتھ آئے تھے)، حاجی خاں کی معاونت کو روانہ ہو گیا، موقعہ پر پہونچکر بہادرانہ جنگ کی، ملّو خاں کے فوجی حصار کو توڑا، اور اُسے سخت ترین شکست ہوئی۔

سلطان شیر شاہ نے جب شجاعت خاں کی متواتر کامیابیوں کی خبریں سُنیں، بیحد مسرور ہوا، اور اپنی خوشنودی اور اس کی کامیابی کے صلہ میں بارہ ہزار کا منصب اور شجاع خان[۵۱] کا خطاب، اور جاگیر میں اُجین، سارنگ پور، مانڈو، مندسور عنایت کئے، مالوہ کے بعض اضلاع شجاعت خاں کے عزیزوں کو بھی جاگیر میں دیئے، اس طرح پر تقریباً کل صوبہ مالوہ شجاعت خاں کے قبضۂ اقتدار میں آگیا۔

شیر شاہ کا دورہ بنگال و بہار میں

مالوہ سے مراجعت کرنے کے بعد شیر شاہ عرصہ تک آگرہ اور دہلی میں رہا، اس کے بعد بنگال اور بہار کے دورہ پر گیا، نئے نئے انتظامات کئے، ہر قسم کی سختیوں، بدعتوں، اور مظالم سے وہاں کی آبادی کو پاک کر کے عدل و داد کی تخم ریزی کی، جس سے دونوں ممالک سرسبز و شاداب نظر آنے لگے، اس طرف سے مطمئن ہو کر آگرہ مراجعت کی، اور کچھ مہینے آرام میں بسر کئے۔

مالوہ میں شیر شاہ کی دوبارہ آمد اور رائسین کا محاصرہ

۹۵۰ھ مطابق ۱۵۴۳ء میں سلطان شیر شاہ نے دوبارہ مالوہ کی طرف عنانِ توجہ منعطف کی، رائسین کے اطراف میں دورہ کرتا ہوا پہونچا، پورنمل نے چھ سو ہاتھی نذرانہ میں بھیجے، لیکن وہ خود حاضر نہیں ہوا، شیر شاہ نے غضب آلود ہو کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا، رائسین کا قلعہ نہایت مستحکم قلعہ تھا، سلطان نے ہدایت کر دی تھی کہ زیر قلعہ کوئی سوار و پیادہ نہ جائے، میں مناسب تدابیر سے اسے فتح کروں گا، عرصہ تک معمولی نوک جھونک ہوتی رہی، ایک دن راجپوتوں کی طعنہ زنی پر کچھ افغان بھڑک اُٹھے اور باہم مشورہ کر کے دوسرے روز صبح کو پندرہ سو سوار شاہی اجازت لئے بغیر قلعہ کی دیوار کے

---

[۵۱] شجاعلپور، علاقہ گوالیار، اسی کا آباد کیا ہوا شہر ہے، اصل میں شجاع دل پور تھا، کثرت استعمال سے حرف "د" حذف ہو کر شجاعلپور رہ گیا ۱۲

نیچے پہونچ گئے اور پورنمل سے کہلا بھیجا کہ تیرے سپاہیوں کی شیخی مٹانے اور اُن کی بہادری دیکھنے کے لئے ہم آ گئے ہیں، اُن کو اجازت دیکر قلعہ کے باہر بھیجدے، پورنمل کو جوابی سپاہ قلعہ سے باہر بھیجنے کے سوا چارہ نہ رہا، طرفین میں خوب جنگ ہوئی، پہر بھر دن چڑھے تک دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ قائم رہیں، افغانوں نے اخیر میں سنبھل کر زوردار حملہ کیا، جس سے راجپوتوں کے پاؤں اُکھڑ گئے افغانوں نے تلواروں اور نیزوں پر اُنھیں رکھ لیا، سیکڑوں وہیں کھیت رہے، باقیماندہ فرار ہوکر قلعہ کے اندر محفوظ ہو گئے، پورنمل فصیل قلعہ پر بیٹھا ہوا جنگی بساط کے مہروں کی چال دیکھ رہا تھا، راجپوتوں کی ہزیمت، اور افغانوں کی بے جگری و شجاعت کا اس نے عمیق اثر لیا، اور نادم ہوکر فصیل سے اوتر گیا۔

یہاں سلطان شیرشاہ کو افغانی جیتوں کی جست و خیز کی کچھ بھی خبر نہ تھی، بعد میں اُن کی صید افگنی کا جب حال سنا تو اس بنا پر اول ان کو ملامت و سرزنش کی کہ شاہی ہدایت کے خلاف ایسی مباورت کرنا خطرناک خلاف ورزی ہے، جب غصہ فرو ہوا تو انعامات و جاگیرات سے ان کو سرفراز کرکے قدردانی کا ثبوت دیا، جس سے ہر سوار کے حوصلے دہ چند ہو گئے

سلطان شیرشاہ کی سرزنش بیجا نہ تھی، وہ خود سپاہی تھا، اور پندرہ سولہ سال سے برابر جنگی کاموں میں مصروف رہکر فنون جنگ، اور ہر جنگی مواقع کے فراز و نشیب سے اس قدر واقف ہو چکا تھا کہ بڑے بڑے نامور جنرل اس کی رہبری کو اپنا فخر سمجھتے تھے، زیر فصیل قلعہ بغیر مکمل ساز و سامان جنگی کے جانا، جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، یہ افغانی سواروں کی خوش قسمتی تھی کہ غنیم نے قلعہ کی فصیل پر سے کوئی کام نہیں لیا، اور افغانی سوار بچ کر نکل آئے علاوہ اس کے سلطان شیرشاہ کو اپنی سپاہ بہت زیادہ محبوب تھی، اور ان کی جانوں کو لعل و جواہر سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتا تھا، اور نہیں چاہتا تھا کہ افغانی سپاہ جس کو اُس نے خون جگر پلا کر پالا ہے بے محل ضائع ہو۔

رائسین کی فتح

سرزنش اور آئندہ کے لئے مناسب ہدایت دینے کے بعد سلطان شیرشاہ

نے افغانی سواروں سے کہا کہ تم لوگ اپنی بہادری بقدر استعداد دکھا چکے اب میری حکمت آمیز شجاعت دیکھو کہ کس طرح قلعہ لیتا ہوں، یہ کہکر حکم دیا کہ لشکر میں جس قدر تانبا، پیتل، یا تانبے پیتل کے ظروف ہیں وہ گلائے جائیں، فوراً تعمیل ہوئی، اور توپیں تیار ہوئیں، اُن کو موقعہ موقعہ سے نصب کرکے فصیل قلعہ پر باڑ مارنے کا سلسلہ جاری ہوا، چھ مہینے کے ایک طویل محاصرہ نے وہ کام نہ کیا تھا، جو ایک روز کی گولہ باری نے کیا، قلعہ کی دیوار گولوں کے صدمات سے شق ہوگئی، پورنمل اور اُس کے ساتھیوں کے دل ہل گئے، اس آتشیں ضرب کی مدافعت کا اُس کے پاس کوئی علاج نہ تھا، اس لئے مجبوراً اُسے شیر شاہ کی خدمت میں مطیعانہ حاضر ہونا پڑا۔

خواص خاں کی آمد راسین میں

اوپر تذکرہ گذر چکا ہے کہ لاہور (پنجاب) فتح کرنے کے بعد سلطان شیر شاہ نے خواص خاں کو امیر الامرا کا خطاب دیکر پنجاب کا ناظم مقرر کیا، اور چونکہ اُسی زمانہ میں سلطان ضرورتاً بنگال کا عازم تھا اس لئے ہیبت خاں نیازی، عیسےٰ خاں نیازی، حسین خاں جلوانی کو قلعہ رہتاس میں چھوڑ کر اوران سب پر خواص خاں کو افسر اعلیٰ مقرر کرکے بنگال کی طرف روانہ ہوگیا،

ہیبت خاں نیازی امرائے عظام سے تھا، اور وہ اپنے زعم میں اپنے کو خواص خاں کا ہمسر سمجھتا تھا، اسی بنا پر خواص خاں کے احکام کی تعمیل بھی کم کرتا، اور اُس کے انتظامی احکام میں نکتہ چینی بھی کیا کرتا۔ خواص خاں خود متحمل مزاج اور سلطان شیر شاہ کا مزاج شناس بھی تھا، اس لئے وہ نکتہ چینیوں پر کچھ زیادہ اعتنا نہ کرتا، تاہم ہر بات کی ایک حد ہوا کرتی ہے، یہ بات عرصہ تک قائم نہ رہ سکی، مجبور ہوکر خواص خاں نے سلطان کو اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میرے اور ہیبت خاں نیازی کے مابین انتظامی امور میں اختلاف ہے، مبادا اس اختلاف کی بنا پر نظام ملک میں کوئی خرابی واقع ہو، اس لئے مناسب ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک کو اپنے پاس بلوا لیجئے۔

سلطان شیر شاہ اُس وقت قلعۂ رائسین (مالوہ) کو محصور کیے ہوئے تھا، اور اُس کو اپنے اقبال مند جنرل کی ضرورت بھی تھی، فوراً حکم بھیجکر خواص خاں کو معہ عیسے خاں نیازی اور حبیب خاں کاکڑ کے اپنے پاس بلوالیا، اور ہیبت خاں نیازی کو اعظم ہمایوں کا خطاب دیکر پنجاب کی حکومت حوالہ کی۔

خواص خاں کے رائسین پہونچنے کے بعد ہی شیر شاہی تدابیر اور امیر الامرا کی جنگی قابلیت سے قلعۂ رائسین مفتوح ہوگیا۔

رائسین کے محاصرہ کی وجہ

سلطان شیر شاہ کے دوبارہ رائسین آنے کی بڑی وجہ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ پورنمل نے ایک عرصہ سے چندیری کے سادات بلگرام اور دیگر شریف اسلامی خاندانوں پر ناقابل برداشت مظالم کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا مرد غلامانہ، اور عورتیں خادمانہ حیثیت سے اُس کے محل میں تھیں، ایک مسلمان عادل سلطان کو اس قسم کی خبروں نے بے چین کردیا، اور وہ اُسی وقت مغرور و سفاک راجہ کے استیصال کے ارادہ سے رائسین کی طرف روانہ ہوگیا، یہی سبب ہے کہ جس وقت پورنمل شیر شاہ کے سامنے آیا، اول اُس سے یہی کہا کہ سادات بلگرام یا جس قدر مسلمان مرد، عورتیں، اور بچے تیرے پاس ہیں اُن کو فوراً آزاد کردے، اس سلسلہ میں تجھکو بنارس کی سند حکومت دی جائے گی، اور کوئی مواخذہ نہ ہوگا، جواب میں پورنمل نے عرض کیا کہ میرے پاس مسلمانوں میں سے ایک فرد بھی نہیں ہے، اور میں راجہ با اختیار بھی نہیں ہوں راجہ دوسرا ہے، میں صرف اُس کا نائب ہوں، شاہی پیغام راجہ تک پہونچا دوں گا، وہ جو کچھ جواب دیگا سلطان سے عرض کرونگا

پورنمل نائب رائسین کی حاضری

شیر شاہ نے پورنمل کو قلعہ کے اندر واپس جانے کی اجازت دی یہاں پہونچکر پورنمل نے یہ چال چلی کہ جس قدر گراں بہا جواہر اس کے پاس تھے وہ سب اپنے وکیل کے ذریعہ سے شاہی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ قلعہ کے اندر معاملہ دگرگوں ہوچکا ہے میں تنہا دربار میں آنے کی جرأت نہیں رکھتا جب تک عادل خاں

(سلطان شیر شاہ کا بیٹا) اور قطب خاں افغانی سردار قلعہ کے اندر آکر مجھ سے میری جان و
ناموس کی حفاظت کا عہد و پیمان نہ کریں، اس کے بعد، قلعہ امرائے شاہی کے حوالہ کرکے
دوسری طرف چلا جاؤں گا۔ سلطان شیر شاہ نے اس کا یہ پیغام منظور کرکے دونوں سرداروں
کو قلعہ کے اندر بھیج دیا، جنھوں نے اس کے ساتھ جانی و مالی حفاظت کا وعدہ کیا، اور
وہ امرائے شاہی کے میثاق سے مطمئن ہوکر اپنے اہل و عیال اور دیگر عزیزوں کے ساتھ
قلعہ سے باہر آگیا، اور قطب خاں کی سفارش پر شاہی لشکر کے قریب اس کیلئے خیمہ لگا دیا گیا

چندیری کی شریف عورتوں کی شیر شاہ سے گفتگو

چندیری کی مظلوم عورتوں نے پورنمل کی عفو قصور کی
جب و انسان سنی تو اُن کے زخمی دلوں پر ایک اور
کاری نشتر لگا۔ اپنی اپنی جگہوں سے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے شاہی لشکر کی طرف
روانہ ہوئیں، حسن اتفاق سے سلطان شیر شاہ اُن کو راستہ میں ملا، مجروح و مظلوم عورتوں
نے نقاب ناموس اولٹ کر، اپنی بیکسی، مظلومی، اور پورنمل کی سفاکی، چیرہ دستی، بیرحمی، اپنے
لڑکوں، لڑکیوں، خاوندوں، باپ بھائیوں کی گرفتاری بعض کا قتل اور اکثروں کے غلام
و کنیز بنائے جانے، اور لڑکیوں سے پاتریں بازار میں فروخت کرائے جانے کی حکایت
اس پُر درد آواز، اور اثر خیز لب و لہجہ کے ساتھ سنائی کہ جس کے سنتے ہی خود شیر شاہ کا بھی
دل بھر آیا، جب عورتوں نے شیر شاہ کو متاثر دیکھا تو گویائی کی طاقت و جرأت اور بڑھی
اور اُن میں سے ایک عورت نے سلطان کو مخاطب کرکے کہا کہ ۔ اے سلطان ہم نے راتوں
کو جاگ جاگ کر اپنی اعانت کے لئے خدائے برتر سے سلطان عادل کے مسلط کئے جانے
کی دعائیں مانگی ہیں، اگر ہماری نگاہیں غلط انداز نہیں تو ہم یقینی طور پر کہہ سکتی ہیں کہ ہم اپنے
مظلومانہ جذبات اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا اثر تیری سطوت شاہی میں جلوہ گر پاتی ہیں
اگر تو نے پورنمل پر دسترس پانے کے بعد اس سے درگذر کی، اور مظلوموں کو اس کے بند سے
آزاد نہ کرایا، تو کل قیامت کے دن ہم بیکسوں کا پنجہ آہنی ہوگا اور تیرا گریبان۔

نگاہ دار بدستِ دعائے مظلوماں
عنانِ توسنِ چابک خرام دولت را

ان اخیر جملوں نے شیر شاہ کو رُلا دیا، اور انتقام الٰہی کی تخویف سے ایک پیندار اور خدا ترس انسان کی طرح کانپنے لگا، جب عورتیں جواب سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوئیں تو اُس پیکرِ استقلال اور شریعت پرست سلطان نے اُن کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے ناموس شرفا میں نے پورنمل کو امان دیدی ہے، نقض عہد کا خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا، اگر تمہاری درخواست منظور کر لوں؟ ایک عورت نے برجستہ جواب دیا کہ علمائے شریعت سے فتویٰ لینے میں کیا ہرج ہے؟

علماء کا فتویٰ اور پورنمل کا قتل

سلطان شیر شاہ یہ سنکر اپنے لشکر میں آیا، مولانا سید رفیع الدین محدث اور دیگر مقدس علماء شاہی لشکر میں موجود تھے، ان سے شیر شاہ نے مشورہ کیا، جنھوں نے تمام واقعات سنکر پورنمل کے قتل کا فتویٰ[1] دیدیا، اب شیر شاہ شرعی حکم سے مجبور تھا، پورنمل کے خیمہ کا محاصرہ کر لیا، جب پورنمل شاہی ارادہ سے خبردار ہوا تو اُس نے خیال کیا کہ کامیابی اور اپنی زندگی کے بھروسہ پر لڑنا بے سود ہے، جب موت سامنے ہے تو راجپوتوں کی آن کے مطابق لڑکر جان دیدینی چاہئے، یہ سوچ کر سب سے پہلے اپنی بیوی رتناولی کے ڈیرہ میں گیا، سنسکرت زبان میں بہادری کا ایک اشلوک پڑھ کر تلوار سے اُس کی گردن اُڑادی، پورنمل کے ہمراہیوں نے بھی اپنے راجہ کے فعل کی تقلید میں اپنی اپنی بیویوں کے سر قلم کر دیئے، اس کے بعد ڈیروں سے باہر نکلے مردانہ لڑے، اور لڑکر اپنی جانیں تلواروں کے نذر کر دیں، جو بچے وہ اسیر ہوئے، مظلوم مسلمانوں کو قید ظلم سے آزاد کرانے کے بعد شہباز خاں شروانی کو رائسین کی حکومت سپرد کر کے سلطان شیر شاہ آگرہ واپس آگیا، جہاں برسات کا موسم اُس نے گذارا۔

---

[1] اس بدعہدی کا جواب باب (۷) صفحہ ۱۴۶ اور ۱۴۷ میں دیکھو) ۱۲

بلوچیوں کی سرکوبی گو شیر شاہ بذات خاص اُس وقت مالوہ کے اطراف میں تھا، تاہم
اُس کی عاقلانہ تدابیر ہندوستان کے دیگر صوبہ جات کے انتظامی معاملات میں برابر مصروف
تھیں، ہیبت خاں نیازی، اور فتح جنگ خاں، پنجاب، اور ملتان کی سمت شیر شاہی حکم
سے شورہ پشت بلوچیوں کی سرکوبی کے لئے مامور تھے، جنھوں نے اُن کو مغلوب کرکے
کامل طور پر امن قائم کیا، ہیبت خاں نے اُن ہی اطراف میں ایک شہر آباد کیا جس کا نام
شیر گڑھ رکھا، اور اپنی اعلیٰ کارگذاری کے صلہ میں ہیبت خاں نے مسند عالی اعظم ہمایوں
کے معزز خطابات حاصل کئے،

شیر شاہ کا حملہ مارواڑ پر جب سلطان شیر شاہ پنجاب، ملتان، بنگال، بہار، جونپور، آگرہ،
دہلی، مالوہ، وغیرہ صوبہ جات کے انتظامات سے مطمئن ہوگیا، تو اب دو مہم اس کے پیش نظر
ہوئیں (اوّل) دکن (۲) فتح اجمیر، ناگور اور مارواڑ، مشیران دولت نے پہلے فتح دکن
کی نسبت رائے ظاہر کی، سلطان نے جواب دیا کہ اول اپنے گھر کا انتظام کرنا ضروری ہے،
عقلمند کا یہ کام نہیں ہے کہ ہندوستان کے داخلی حصص سے قطع نظر کرکے خارجی حصہ ملک
دکن پر توجہ کی جائے، لہذا پہلے اندرونی اضلاع کو کھوٹوں سے صاف کرنا چاہئے،

چو خود را کنیم در کشور خود عمد
بہ دیگر دیار از چہ آریم رد

یہ کہکر اُس نے فراہمی رسد، اور ترتیب لشکر کا حکم دیا، بعض مورخین اسی ہزار اور بعض اس سے
زیادہ لشکر کی تعداد بیان کرتے ہیں، غرض شیر شاہ نے مارواڑ کی سمت ۹۵۰ھ ۱۵۴۴ء میں نہضت کی
ہر منزل پر ریت کے خام قلعے تیار ہوتے، جن کے گرد خندقیں بھی کھودی جاتیں، اس سے بظاہر
شیر شاہ کے دو مقصد معلوم ہوتے ہیں، ایک یہ کہ فوج آرام طلب نہ ہو مشقت کی عادی رہے
دوسرے یہ کہ جاتے ہوئے یا واپسی میں دشمن کے مقابلہ کی حالت میں وہی قلعے حفاظت کا کام دیں
اس وقت مارواڑ کا راجہ مالدیو تھا، جو حقیقی وارثان ملک کو محروم کرکے مارواڑ کی راجدھانی

کا مالک بن بیٹھا تھا، جس کے سبب سے اکثر راجپوت سردار اس کے خلاف بھی تھے، مارواڑ کے
قریب پہونچکر شیر شاہ ایک نئی چال چلا، ہندی میں چند خطوط زمینداران مارواڑ کی طرف سے
اپنے نام لکھوائے، جن کا خلاصہ مضمون یہ تھا، کہ ہم راجہ کے مظالم سے تنگ آ چکے ہیں اگر
سلطان شیر شاہ اس طرف توجہ کرے، تو ہم اپنی طاقتوں سے شاہی امداد کو حاضر ہیں، ان خطوط
کو ایک لفافہ کے اندر خریطہ کی صورت میں بند کر کے شیر شاہ نے ایک سوار کے حوالہ کیا، اور ہدایت
کی کہ راجہ کی سواری جس طرف سے گذرنی ہو، اس خریطہ کو اس راستہ پر ڈالکر خود پوشیدہ
ہو جائے، سوار نے ایسا ہی کیا، راجہ کے کسی ہمراہی کی نظر اس خریطہ پر پڑی، اس نے اٹھا لیا
اور راجہ کے سامنے پیش کیا، راجہ نے پڑھا، اور دیر تک غور کرتا رہا، آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ ملک
دوسروں کا ہے، اور میں نے جبراً اس پر قبضہ کیا ہے، اس لئے ملکی زمینداروں کا مجھ سے خلاف
ہونا تقاضائے فطرت ہے، اور آیندہ میری حکومت کی بقا مشتبہ ہے، بہتر یہی ہے کہ کنارہ کش
ہو کر اپنے ٹھکانے بیٹھ جانا چاہئے، اس خیال کو اس نے لوگوں پر ظاہر بھی کیا، اس کے ہوا خواہوں
نے سنا تو مجتمع ہو کر آئے، اور کہا کہ یہ شیر شاہی چال ہے، ہم جنگ کے لئے آمادہ ہیں، مالدیو راجہ
کا دل قوی ہو گیا، جے چند مل، اور گوپا سرداران راجپوت کی افسری میں بارہ ہزار راجپوت
سواروں کا لشکر لڑائی کے لئے نکلا، حقیقت یہ ہے کہ ان مٹھی بھر سواروں نے وہ بہادری
دکھائی، کہ شیر شاہی لشکر میں زلزلہ پڑ گیا، شیر شاہ اس وقت تلاوت قرآن مجید میں مصروف تھا
ایک سوار نے اپنی فوج کی مغلوبیت کے آثار اس سے بیان کئے، سنکر اشارہ سے اپنا گھوڑا
طلب کیا، اور خود نہایت استقلال کے ساتھ تلاوت میں مصروف رہا، تلاوت سے فارغ ہونے
کے بعد گھوڑے پر سوار ہونا چاہتا تھا، کہ دوسرا سوار فتح و نصرت کی خبر لایا، اور کہا کہ غنیم کا لشکر
تباہ ہو گیا، سرداران فوج مارے گئے، شیر شاہ نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا، اور کہا کہ آج
ایک باجرہ کے دانہ پر تخت ہندوستان ہاتھ سے گیا تھا، (مارواڑ میں باجرہ کی کاشت زیادہ ہے
اس لئے باجرہ کے جملہ سے اشارہ اس طرف ہے) خواص خاں نے خصوصاً اس جنگ میں

رستمانہ بہادری دکھلائی، اور یہ تنہا اسی کی شمشیر زنی کا نتیجہ تھا کہ شیر شاہی فوج مغلوب ہو کر غالب ہو گئی۔

راجپوتانہ اضلاع پر تسلط اس کے بعد شیر شاہ نے اپنے خاص خاص افسروں کو ناگور، اجمیر اور قلعہ جودھپور کی تسخیر کے لئے مامور کیا، جنھوں نے اُن تمام اضلاع کو مفتوح کر کے شیر شاہی علم نصب کر دیا، مالدیو راجہ شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا، شیر شاہ خواص خاں کو ناظم راجپوتانہ مقرر کر کے آگرہ واپس آ گیا، خواص خاں نے جودھپور کے قریب اپنے نام پر خواص پور ایک شہر آباد کیا اور اسی کو حکومت گاہ قرار دیکر ملک کو فتنہ و فساد سے مامون کیا۔

چتورگڈھ کی فتح بارش کا زمانہ شروع ہونے پر شیر شاہ نے مشیرانِ دولت سے کہا کہ میں برسات کا موسم وہاں گذارنا چاہتا ہوں جہاں کچھ کام بھی کر سکوں، یہ کہکر چتوڑ پر فوج کشی کا حکم دیا شاہی لشکر کی نہضت کی خبر سنکر چتوڑ کا راجہ خوف زدہ ہوا، اور سوائے اس کے اس نے اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ قلعہ کی کنجیاں شیر شاہی افسروں کے حوالے کیں، اس طرح بغیر جنگ و جدال قلعہ ہاتھ آ گیا، اس کے بعد شیر شاہ خواص خاں کے چھوٹے بھائی احمد خاں شہروانی اور حسن خاں غازی کو خواص خاں کی نگرانی میں قلعہ کی حکومت حوالہ کر کے خود علاقہ کچھواڑہ کی طرف چلا گیا، اور اپنے بیٹے عادل خاں کو قلعہ رنتھنبور جانے کی اجازت دی، وہاں سے پلٹا تو آبو کے سرحدی علاقہ کو زیر کرتا اور بند و بست کرتا ہوا ہنڈیا (مالوہ) آیا، یہاں شجاعت خاں ناظم مالوہ کو یہ ہدایت کی کہ میں قلعہ کالنجر کی طرف بڑھتا ہوں، جس وقت قلعہ کی فتح کی خبر پہونچے فوراً دکن پر حملہ کر دینا۔

قلعہ کالنجر کا محاصرہ قلعہ کالنجر پر حملہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ بندیلکھنڈ کے راجہ بیر سنگھ کو شیر شاہ نے حاضری کا فرمان لکھا تھا، اس نے روگردانی کی اور کالنجر کے راجہ کیرت سنگھ کی پناہ میں چلا گیا، شیر شاہ نے کیرت سنگھ کو کہلا بھیجا کہ راجہ بندیلکھنڈ باغی ہے اسے فوراً بھیجدیا جائے، راجہ کالنجر نے انکار کیا، شیر شاہ کو ایک معمولی راجہ کی گستاخی کی تاب کہاں تھی،

فوراً فوج کشی کا حکم دیدیا۔

قلعۂ کالنجر کی تسخیر لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ حقیقی شہنشاہ عالم کی بارگاہ سے سلطان شیر
کی طلبی کا فرمان جاری ہوچکا ہے، اور کالنجر کی طرف نہضت اُس کی آخری نہضت ہے،
افسوس۔ع او بفکرے مجھیے من بخیالے مجھیے۔

غرض کالنجر پہونچکر سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، قلعہ کے چاروں طرف اتنے اونچے اونچے
مورچے بنوائے کہ جن پر چڑھنے سے باشندگان قلعہ کی صورتیں اور ان کی نقل و حرکت دکھائی
دیتی تھی۔

ایک طویل زمانہ کے محاصرہ کے بعد ۸ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء کو شیر شاہ نے
حکم دیا کہ آتشیں حقے قلعہ کی دیوار پر مارے جائیں، خود بھی ایک مورچہ پر گیا جہاں سے محصورین
پر تیر اندازی کرتا رہا، آتشیں حقے جب مکمل ہوکر آگئے، تو شیر شاہ اُن کے دیکھنے کے لئے مورچہ
سے نیچے آیا، حقہ بازی شروع ہوئی، اتفاقاً ایک حقہ قلعہ کی دیوار کو توڑ کر حقوں کے ذخیرہ
میں اُلٹا آگرا، جس نے ذخیرہ میں آگ لگادی، جو لوگ قریب تھے وہ سب کم و بیش جلے
جلنے والوں میں مشہور لوگ دریا خاں شروانی، شیخ خلیل، ملا نظام دانشمند تھے، ان سب کے
شیر شاہ بھی نیم سوختہ ہوکر شاہی خیمہ میں لایا گیا، گو سوزش کی تکلیف سخت تھی، تاہم جبین استقلال
پر شکن تک نہ پڑی، افسروں کو بستر مرگ سے برابر ہدایات جنگ دیتا رہا، ظہر کے وقت سلطان
نے چاروں طرف سے حملہ کا حکم دیا، محاصرین و محصورین دونوں خوب لڑے، شام تک کشت
و خون کا بازار گرم رہا، آخر کار مغرب کے وقت قلعہ مفتوح ہوا، مژدہ فتح سنکر شیر شاہ کے
متفکر چہرہ پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔

شیر شاہ کی وفات حسرت آیات دو یوم کے بعد ۱۰ ربیع الاول ۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء کو اسی آتشیں صدمہ سے
سلطان شیر شاہ نے رحلت کی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

بسا بادشاہانِ لشکر شکن   بسا پہلوانانِ شمشیر زن
چو کردند پیراہنِ عمر چاک   کشیدند سر در گریبانِ خاک

سلطان کی نعش اُس کے قدیم وطن سہسرام صوبہ بہار میں لاکر دفن کی گئی، جس پر عالیشان گنبدی عمارت، اور مزار کے گرد بڑا نالاب آج تک یادگار باقی ہے۔ کسی شاعر نے کیا موزوں مادہ تاریخ استخراج کیا ہے۔

شیر شاہے کہ از مہابتِ او   شیر و بُز آب را بہم میخورد
چوں برفت از جہاں بہ ارتقا   گشت تاریخ او ز آتش مرد

اس لڑائی میں کالنجر کا راجہ معہ ستّر نفر اپنے ساتھیوں کے گرفتار ہوکر سلیم شاہ کی تخت نشینی کے بعد قتل ہوا۔

شیر شاہ نے ۹۳۲ھ سے ۹۴۶ھ تک پندرہ سال امارت میں بسر کئے اور ۹۴۶ھ سے ۹۵۲ھ تک پانچ سال و دو ماہ تیرہ روز سلطنت کی، اور اس عدل و داد، رعایا پروری اور قابلانہ نظم و آئین کے ساتھ فرائض سلطنت اس نے ادا کئے، کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شیر شاہی عزائم سلطان شیر شاہ کے اولوالعزمانہ اور فاتحانہ ارادے بہت وسیع تھے۔ اگر حیات مستعار کچھ دنوں اور رفاقت کرتی تو کچھ عجب نہیں کہ وہ ہندوستان کے چپہ چپہ پر اپنی سیادت قائم کرتا ہوا غیر ممالک میں بھی اپنی جوہردار تلوار کے کاٹ دکھلاتا، یہ تنہا مؤلف ہی کا خیال نہیں ہے، بلکہ اس کی تائید خود شیر شاہ کی اُس تقریر سے بھی ہوتی ہے جو اُس نے میر سید رفیع الدین محدثؒ سے کی تھی۔

جودھپور (مارواڑ) کی فتح کے بعد میر سید رفیع الدینؒ نے حرمین الشریفین جانے کی اجازت سلطان شیر شاہ سے چاہی اور کہا کہ آرزو ہے کہ بقیہ انفاس ان متبرک مقامات میں گزاروں۔ سلطان نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو اپنے پاس ایک خاص مصلحت سے رکھا ہے

اور جب تک وہ مقصد پورا نہ ہو جائے میں آپ کو جدا کرنا نہیں چاہتا میرا ارادہ او رپختہ ارادہ ہے کہ چند روز میں ہندوستان کے غبار آلود مطلع کو صاف کر کے حدود ایران پر حملہ کروں'' اور پھر وہاں سے آپ کو سفیر بنا کر سلیمان اعظم سلطان روم کے پاس اس غرض سے بھیجوں کہ ہمارے اور اُن کے درمیان آپ اسلامی اتحاد کو مضبوط کر کے حرمین میں سے ایک حرم کی خدمت مجھے دلوا دیجئے جو میرے لئے عین سعادت ہے۔ اس کے بعد عثمانیہ اور افغانیہ متحدہ افواج سے میرا ارادہ ہے کہ تمام بر اعظم ایشیا پر قبضہ کر کے فتنہ و فساد سے پاک کر دوں'' میر صاحبؒ نے ان خیالات پر سلطان کو مرحبا کہکر اپنا ارادہ فسخ کر دیا' اس کے بعد ہی کالنجر قلعہ کے محاصرہ کے دوران میں سلطان کے جلنے اور مرنے کا حادثہ وقوع پذیر ہوا' اور حوصلہ مند سلطان کے حوصلے اس کے ساتھ گئے' سچ ہے ؎

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش ست

زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش ست

بہ استثنائے علامہ ابوالفضل باقی عام مورخین سلطان شیر شاہ کے ذاتی وصفاتی محامد اور کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کو بہترین تاجدار ہند تسلیم کرتے ہیں۔ اگر اس جگہ ہر ایک کی رائے کا خلاصہ بھی درج کیا جائے تو اُس کے لئے کئی صفحے درکار ہوں گے' اس لئے ذیل میں صرف مورخ سلاطین افغانیہ کے خیالات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے اسی کے قریب قریب دوسروں کے خیالات کا بھی اندازہ کر لینا چاہیئے:

درنیک ذاتی وصفات حمیدہ وعقل وتدبیر ملک گیری وجہانداری کم ہمتا بود' درخصوص بہ قوم افاغنہ نظیرے نداشت' ودر رفاہ عام وآسودگی خلائق ہمت بسیارے گماشت' در محکمۂ عدالت خویش و بیگانہ رابیک نظر میدید۔

پانچواں باب

تنظیمات، وسیاسیات شیرشاہی

قوت انتظامیہ | کسی سلطنت، کسی ملک، کسی ریاست کی آبادی، سرسبزی، ترقی، رعایا کی مرفہ الحالی، اور پُرامن زندگی کا انحصار صرف حکمرانوں کی تنظیمی قوت اور اس کے صحیح استعمال پر موقوف و مسلّم ہے، سکوں اور خطبوں کا عملی رواج اگرچہ ہر بادشاہ کی فرمانروائی کیلئے طغرائے امتیاز ہے، لیکن اگر کسی میں جوہر نظم و آئین نہیں، اور وہ اپنے وزرا و عمّال کا محتاج ہو تو اس کی شاہانہ حیثیت نمائش سے زیادہ نہیں ہوسکتی، ایسے حکمرانوں کی دماغی و عقلی کمزوریوں ماتحت عمّال کی خودغرضیوں، اور غفلت شعاریوں سے، بادشاہوں نے جو انقلابی اور بربادی کے نتائج دیکھے ہیں ان کے واقعات سے دنیا کی تاریخی کتابیں سیاہ ہورہی ہیں۔

سلطان شیرشاہ سوری اپنے مختصر عہد پنجسالہ میں سوائے صوبۂ دکن کے باقی تقریباً تمام صوبہ جات ہند کا فرمانروا تھا، اگرچہ اُس کا پنجسالہ عہد بھی ہندوستان کے دورے، مقامی حکام پر سیادت قائم کرنے، اور سرکشوں کے زیر کرنے میں گذرا، تاہم وہ آئین حکمرانی، آئین عدالت، آئین سیاست، اور آئین نظم سے، اس قدر واقف، اور اُن کے طریقہ نفاذ و استعمال پر اس قدر قادر تھا، کہ روزانہ کی جنگی مشاغل بھی اُس کے قوائے نظمیہ کی عام رفتار کو روک نہیں سکتے تھے، عَلَم اور قلم دونوں اُس کے فرمانبردار تھے، ایک ہاتھ میں تلوار ہوتی، جو مخالفوں کا حلیہ بگاڑنے میں مصروف عمل رہتی، دوسرے ہاتھ میں قلم ہوتا، جو آئینی نقش و نگار بنانے میں مشغول رہتا۔

یہ کہنا عین حقیقت پر مبنی ہے کہ شیرشاہ میں انتظامی قابلیت کا جوہر فطری تھا، اُس نے نہ عام شاہزادوں کی طرح تعلیم پائی، نہ حکمراں خاندان میں پیدا ہوا، خود سپاہی زادہ تھا، اور ہمیشہ

سپاہیانہ زندگی بسر کی، لیکن مشیتِ ازلی کو اس سے راعی کا اصلی کام لینا اور لباس شاہی سے آراستہ کر کے سلطان عادل مشہور کرنا منظور تھا، اس لئے رزم و بزم، دونوں کا یکساں طور پر اسے عامل بنایا، اپنے باپ کی جاگیر کا اپنی اوائل عمر میں بغیر کسی مشیر و رہنما کے جو اُس نے قابل تعریف انتظام کیا ہے، وہ اُس کی ذہانت، طباعی، اور صحیح الدماغی کا اعلیٰ ثبوت ہے، جس کے کل موافق و مخالف مورخین بھی قائل ہیں۔

بخلاف عام حملہ آور اور فاتحین کے سلطان شیر شاہ کا یہ دستور تھا کہ جو ملک یا حصہ ملک فتح کرتا، فی الفور اُس کی زرعی ترقی کی طرف خاص توجہ مبذول کر کے رعیت کو مرفہ الحال بنانے کی کوشش کرتا، فسق و فجور، سفاکی، بیدادگری، زیادہ ستانی، رہزنی، چوری، وغیرہ جرائم کے انسداد، اور رفاہی، عدالتی، سیاستی، مالی، ملکی عام انتظامات کے اجرا کے سلسلے میں بہت سے نئے قوانین مرتب کئے اور بعض قدیم قوانین کو اُس وقت کی ضرورت اور تمدن کے لحاظ سے کاٹ چھانٹ کر صورت نما لباس میں جلوہ گر کیا، اور چونکہ اُس کے تمام آئینی احکام میں عدالتی تنویر کی بہترین جھلک تھی اسلئے ہر مقامی عایا اور ملازمین نے روشنیوں سے فائدہ اُٹھا کر نشر و اشاعت میں مزید ترقی دی۔

فوجی، اور ملکی عہدہ داروں، سپاہیوں، اور عام رعیت سے سلطان کی جو روزانہ گفتگو ہوتی وہ بھی ضابطہ اور قانون سے خالی نہ ہوتی، برخلاف عام سلاطین، ہر اعلیٰ و ادنیٰ اہم اور غیر اہم امور اسی کی منظوری سے طے ہو کر جاری ہوتے، ملکی واقعات، و سوانح کی معلومات کے ذرائع اُس کے اس قدر وسیع تھے کہ ممالک محروسہ کا ہر جزئی واقعہ روزانہ اس کے کانوں تک پہونچتا، جن کی اطلاعات پر فی الوقت مناسب احکام جاری ہوتے وہ عمال پر بہت کم بھروسا کرتا، اُس کا قول تھا کہ بادشاہوں کو ہر وقت بیدار رہ کر عبادت کی طرح سلطنت کا کام چلانا چاہیے محض عمال کے بھروسہ پر رعایا اور ملکی انتظام کو چھوڑ کر عیش و عشرت میں پڑ جانا ملک کو تباہ و برباد کر دینے کے مرادف ہے، اس نے اپنی مستعدی اور بیدار مغزی سے اس وقت سلطنت ہند کی عظیم الشان انتظامی مشین کو اس قابلیت سے سنبھالا کہ اُس کے تمام چھوٹے بڑے پُرزے

تنہا اسی کے اشارہ پر چلتے رہے، یوں تو سلطان شیر شاہ کم و بیش عام انسانی اوصاف کا مجسمہ تھا لیکن تنظیم، عدالت گستری، مخصوص وہ اوصاف تھے کہ سلاطین ہند میں اُس کا جواب نہ تھا، محققین مورخ کہتے ہیں کہ آئینِ اکبری، اسی کے وضع کردہ قوانین کا دوسرا نام ہے، جسے علامہ ابوالفضل نے ترتیب دیکر اور اپنی انشائی و ادبی نقش و نگار سے آراستہ تر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے، عام مسلمان فارسی مورخین کی رایوں کو نظر انداز کر کے اس موقع پر صرف ایک غیر مسلم مگر محقق اور مشہور مورخ مسٹر جان کلارک مارشمین[۱] المتوفی ۱۸۷۷ء کی رائے کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جس کے مطالعہ سے قارئین کرام خود اندازہ کر لیں گے کہ مؤلف نے اپنی طرف سے کوئی نئی بات اضافہ نہیں کی:

"کوئی شبہ نہیں کہ شیر شاہ نہایت درجہ نیک طبیعت، ذکی فہیم، مدبر اور قابل ترین انسان تھا۔ جس طرح کہ وہ جنگی مہمات میں مشہور تھا اسی طرح ملکی انتظام میں بھی قابل تھا۔ باوجودیکہ اس کو میدان جنگ سے مہلت نہیں ملی، تاہم انتظامی سلسلہ میں اُس نے سلطنت کے ہر شعبہ کو مکمل طور سے ترمیم کر کے صورت نما بنا دیا تھا، اور اُس کی وفات کے بعد وہی قوانین و قواعد اُس کے خاندان میں جاری رہے، یہاں تک کہ اکبر کے واسطے اُس کے نظامیہ اُصول و آئین نمونہ بن گئے، جو بعد میں آئینِ اکبری کے نام سے مشہور ہوئے"

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ الگ الگ عنوانات میں اُس کے انتظامی کارنامے درج کرتے ہیں۔

---

[۱] مسٹر جان کلارک مارشمین ۱۷۹۴ء بمقام برسٹل (انگلستان) پیدا ہوکر اپنے باپ جوشوا مارشمین ڈی ڈی کے ہمراہ ہندوستان آیا، غیر زبانوں میں بھی اس نے کامل مہارت پیدا کی۔ تاریخوں کا غور سے مطالعہ کرتا رہا، صوبہ بنگال میں بنگالی زبان کا مترجم مقرر ہوا، اس نے ۱۸۴۲ء میں ہسٹری آف انڈیا (تاریخ ہندوستان) لکھی جو اس قدر مقبول ہوئی کہ پانچ مرتبہ اسی کی حیات ہی میں طبع ہوئی، اس کا آخری ایڈیشن ۱۸۶۷ء میں مطبوع ہوا، مارشمین نے انگلستان میں ۱۸۷۷ء میں وفات پائی ۱۲

ملکی و مالی نظام | سلطان شیر شاہ نے اپنے ممالک محروسہ کو (۴۷) قسمت، اور ایک لاکھ ۱۶ ہزار
پرگنوں پر تقسیم کیا تھا، (پرگنات کو آج کل کی تحصیلات کا مرادف سمجھنا چاہئے) ہر پرگنہ میں حسب
ذیل عہدہ دار مقرر کیے، عامل، شقدار، فوطہ دار (خزانچی) کارکن فارسی نویس، کارکن ہندی
نویس، چودھری، قانونگو، امین (زمین کا پیمائش کرنے والا) چند پرگنوں کو ملا کر ایک سرکار (ضلع)
اور اضلاع کو صوبہ کے ماتحت کیا، ہر ضلع میں عہدہ داروں کی تفصیل یہ تھی، صدر شقدار، صدر
منصف، صدر قانونگوے، اور اُن کے ماتحت حسب ضرورت عملہ، زمین زرعی کی پیمائش سالانہ مقرر
کی، سوتی جریب ۵۵ گز فی گز ۳۳ انچ کی ایجاد کی، پیمائش کرنے والوں کا مستقل عملہ ملازم رکھا، ہر
جدید پیمائش کی رو سے افراد جمعبندی تیار ہوتیں، اور ان کی رو سے خراج بحق دیوان (سلطنت)
وصول ہوتا، پیداوار زرعی کا نصف حصہ کاشتکاروں کا حق ہوتا، اور نصف حصہ میں سے آدھا
مقدم (زمیندار) کو ملتا، آدھا بحق دیوان وصول ہوتا، مقدم کا استحقاق اس لئے رکھا گیا تھا،
کہ وہ گاؤں کا نگراں ہوتا، کاشتکاروں کی ضروریات کا مہیا کرنا، اُن کے خانگی تنازعات
کا تصفیہ کرنا، وصولی میں شاہی ملازموں کو مدد دینا، ہر قابل انتظام امور کی حاکم پرگنہ کو اطلاع
دینا، یہ سب کام اس کی ذات سے تعلق رکھتے۔

خراج کا تعین اجناس کی نوعیت پر رکھا گیا تھا۔ جس کی وصولی کے وقت خاص طور پر
نگرانی اس لئے کی جاتی کہ مقدم (چودھری) محصل وغیرہ کاشتکاروں سے مقدار معین سے زیادہ
حاصل نہ کر سکیں، نہ حقوق شاہی میں تصرف کا ان کو موقع مل سکے، قانون گو اور صدر قانون گو،
ایک ہی ذمہ داری کا عہدہ تھا، سرحدی تنازعات کا تصفیہ، افراد جمعبندی کی پڑتال، لگان
کی کمی و بیشی کا اختیار، سال کے ختم پر جمع و خرچ پرگنہ کا مرتب کر کے ضلع میں روانہ کرنا، اور ہر طب
پالیس کی تحریری اطلاع دیوان شاہی میں بھیجنا خاص ان کے فرائض تھے، قانونگو اور چودھری
کے دو جدید عہدے خاص شیر شاہ نے مقرر کیے، جن پر ان کا استحقاق موروثی قرار دیا گیا، اور
جو لوگ ان عہدوں پر مقرر کیے گئے اُن میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی، دیگر ملکی عہدوں پر

بھی ہند و سرفراز تھے، مال کے مقدمات میں قانونگو کو ایسے وسیع اختیارات حاصل تھے جو اس زمانہ میں کلکٹر کو بھی حاصل نہیں۔

تمردی و سرکشی سے سلطان کو سخت نفرت تھی، جہاں وہ رعیت پر بیحد مہربان تھا وہاں سرکشی کے اظہار پر ویسا ہی تعزیر دینے میں بھی سخت تھا جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کی رعیت کے دلوں سے خلاف ورزی اور عدم ادائگی خراج کا فاسد خیال قطعی جاتا رہا، سلطان کے نام پر اپنے جان و مال کو نچھاور کرنے کے لئے ہر وقت موجود رہتے، رعیت نے جس قدر اس کے عہد میں صداقت آمیز اطاعت کا اظہار کیا ہے، کبھی کسی دوسرے سلاطین کے عہد میں اس کی نظیر نہیں ملتی، سلطان شیر شاہ اپنے اس اصول پر بھی سختی سے قائم اور اس پر عامل تھا کہ ہر سال یا زیادہ سے زیادہ دوسرے سال کے بعد عاملان پرگنات و اضلاع کو تبدیل کر دیتا، اس کا خود یہ قول تھا کہ عمال کو پرگنات میں کثیر منفعت ہوتی ہے، علاوہ اس کے زیادہ دنوں تک ایک جگہ رہنے سے ان کا اختلاط ماتحت اہلکاروں، اور رعیت سے اس قدر عمیق اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ وہ سرکاری آمدنی کے تصرف کرنے اور خود مختاری کا اثر قائم کرنے میں دلیر ہو جاتے ہیں، اس لئے میں ان کو جلد جلد تبدیل کرنے میں مصلحت دیکھتا ہوں، اور یہ خیال بھی پیش نظر رہتا ہے کہ میرے جس قدر بھی ہواخواہ ہیں، وہ باری باری سے مقامی حکومتوں پر پہونچکر دوسروں کی طرح انتفاع حاصل کرتے رہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ شیر شاہ کا خیال منفعت سے رشوت ستانی کی طرف ان کو مائل کرنا تھا، وہ اس قسم کی بدعات و جرائم کا سخت دشمن تھا،

بات یہ تھی کہ شاہی زمانہ میں تنخواہیں کم، اور جائز حقوق عمال کے زیادہ تھے، وہ حقوق بھینٹ (نذرانہ) کی صورت میں حسب حیثیت سالانہ ہر گاؤں سے مقرر ہوتے، دورۂ دیہات کے سلسلہ میں کاشتکاروں اور زمینداروں سے نذرانہ کی آمدنی علحدہ ہوتی، اس طرح ایک معقول رقم سالانہ ان کو مل جایا کرتی تھی، اس قسم کے حقوق آج بھی بعض بعض ریاستوں

میں قائم ہیں۔

سلطان شیر شاہ کے حسن انتظام اور نیک نیتی سے اس وقت ممالک محروسہ کا چپہ چپہ آباد، اور رعایا خوشحال تھی۔ یہ بھی اس کی نیک اعمالی کا ثمرہ تھا کہ اس کے عہد میں کبھی قحط سالی اور خشک سالی کا حملہ کسی جگہ نہیں ہوا۔

رفاہِ عام | رفاہیہ امور کی تنظیم، اور اس کے اجرا میں شیر شاہ نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ سڑکیں، اور سڑکوں کے کنارے ہر دو کوس کے فاصلہ سے بکثرت سرائیں بنوائیں، اور قریب قریب چاہات کندہ کرائے، اور سڑکوں کے دونوں طرف سایہ دار اور پھل دار درخت نصب کرائے، تاکہ مسافروں کو آرام و آسائش نصیب ہو۔ ایک سڑک دریائے سندھ کے کنارہ سے خلیج بنگالہ تک دو ہزار کوس کے طول میں[1] تھی اور یہ طول اس قدر تھا کہ پیدل چلنے والے مسافرین چار مہینے میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک راستہ طے کرتے تھے۔ دوسری سڑک آگرہ سے مانڈو ہوتی ہوئی برہانپور (سرحد ملک دکن) تک تقریباً چھ سو کوس۔ تیسری سڑک آگرہ سے جودھپور ہوتی ہوئی چتوڑگڑھ (راجپوتانہ) تک، چوتھی سڑک لاہور سے ملتان تک، ہر ایک کوس پر ایک بلند مینار بطور نشان کوس قائم تھا، ان تمام سڑکوں پر سترہ سو سرائیں تھیں، ہر سرائے میں مسلمانوں کے قیام کے لئے جدا، اور ہندوؤں کے آرام کے لئے جدا مکانات تھے، اسی طرح ہر سرائے میں دو[2] دروازے رکھے گئے تھے، ایک دروازہ پر مسلمانوں کے لئے اور دوسرے پر ہندوؤں کے لئے پانی کی سبیلیں قائم تھیں۔ اس سے زیادہ آرام کی یہ بات تھی کہ مسلمان مسافرین کے کھانا پکانے کے لئے باورچی اور ہندوؤں کے لئے برہمن ملازم تھے۔ گرم و سرد پانی ہر وقت موجود رہتا جو نہانے اور پینے کے کام میں آتا، برہمنوں کے متعلق ہندو مسافرین کے لئے بستر کرنا، رسوئی (کھانا) بنانا، اور گھوڑوں کے لئے دانہ لانے کا کام سپرد تھا، اسی طرح مسلمان مسافرین کے خدمات کے لئے علیحدہ ملازم تھے۔ مسافرین پر سرائے کے قیام کا کوئی ٹیکس نہ تھا، چارہ

۱؎ ہنوز قائم ہے۔

دانہ جانوروں کے لئے، اور ہر طرح کا ضروری سامان مثل اجناس، ترکاری، گھی، لکڑی وغیرہ آدمیوں کے لئے مفت ملتا۔

سب سے زیادہ خوبی کی یہ بات تھی کہ ہر سرائے کے وسط میں ایک پختہ مسجد اور اس سے متصل کنواں تھا، تاکہ مسلمان مسافرین فریضہ نماز آرام کے ساتھ ادا کرنے ہر ایک مسجد میں ایک موذّن، ایک خادم اور ایک پیش امام بھی مقرر تھا، جن کو دیوان شاہی سے تنخواہیں ملتیں۔ ان تمام آسائشی سروسامان کے علاوہ سرائے، اور مسافرین کی حفاظت کے لئے ایک شحنہ اور کئی چوکیدار مقرر تھے، جن کو معاوضۂ خدمت کے صلہ میں سرائے کی متصلہ اراضی قابل کاشت بطور معافی ملی ہوئی تھی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کو عام عمارات و انہار کے بنوانے میں دیگر سلاطین پر خاص فوقیت ہے، لیکن مسافرین کے آرام و قیام کے لئے سلطان شیر شاہ نے جو کام کیا ہے، اس سے فیروز شاہی نظام کا صحیفہ بھی خالی ہے۔

خبر رسانی کے سلسلہ میں دو گھوڑے مع سوار ہر سرائے میں مقرر تھے، فرشتہ کی عبارت یہ ہے:

> شیر شاہ پانزدہ سال در امارت گذرانید، و پنج سال بادشاہی بلاد ہندوستان کرد، بہ عقل و تدبیر صائب اعتبار زمام داشت، و آثار پسندیدہ بسیار گذاشت، چنانچہ از بنگالہ و سنارگاؤں تا آب سندھ کہ بہ آب نیلاب اشتہار دارد و یک ہزار و پانصد (۱۵۰۰) کروہ است، و در ہر یک کروہ سرائے ساختہ چاہ و مسجد از خشت پختہ و گچ پرداختہ موذّن و مقری، و امامے مقرر نمودہ آنہارا وظیفہ معین کرد، و در ہر سرا، یک دروازہ طعام پختہ و خام برائے مسلمانان و دروازہ دیگر کذالک برائے ہندوان مقرر نمودہ کہ دائم میرسانیدند تا مسافران عسرت نکشیدہ باشند، و در ہر سرا دو اسپ بام کہ بزبان ہندی ڈاک چوکی گویند نگاہ داشتہ کہ ہر روز خبر نیلاب و اقصائے بنگالہ باو میرسید، دریں راہ از ہر دو

جانب خیاباں از درختان میوہ دار از قسم کھرنی و جامون وغیرہ نہال نشانیدہ بود کہ خلائق در سایہ اش آمد و شد میکروند و ہمیں طریق از آگرہ تا سندھ کہ سی صد کردہ است درختان میوہ برپا کردہ بود و سرا و مسجد ساختہ۔

بازاروں میں نرخنامہ کے خلاف اجناس، و دیگر سامانوں کا فروخت ہونا سخت ممنوع تھا، بازار کے چودھریوں کے فرائض میں سے ایک یہ بھی فرض تھا، کہ مقامی عمال کے مشورہ سے روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار نرخ کا تعین کیا جایا کرے، ملازمان فوج اور سول کے لئے عام نرخنامہ کے خلاف حصول اجناس میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔

تاجرین اور مسافرین کے آرام کے لئے عام ہدایت یہ تھی کہ شاہی مہمانوں کی طرح ان کے ساتھ سلوک ہو، اگر کوئی تاجر یا مسافر فوت ہو جائے تو ان کا متروکہ شاہی دیوانخانہ میں داخل کرنے کے بجائے ان کے ورثاء کو تلاش کر کے حوالہ کیا جائے۔

تمام قلمرو میں صرف دو جگہ تجارتی مال پر محصول مقرر تھا، بنگالی مال پر گڈھی میں (جو بہار و بنگال کی سرحد پر ہے) خراسانی و کابلی مال پر ان کی سرحدی مقامات پر، باقی راستوں اور فرودگاہوں پر کوئی محصول نہ تھا، سلطان مسافرین کے تذکرہ پر اکثر یہ شعر پڑھا کرتا:

بزرگاں مسافر بجاں پرورند
کہ نام نکویش بعالم برند

انسداد جرائم اس سلسلہ میں شیر شاہی قانون یہ تھا کہ اگر کسی جگہ چوری، ڈکیتی، رہزنی یا قتل کی واردات ہو اور مرتکب جرم فی الفور گرفتار اور مال مسروقہ یا مغروقہ برآمد نہ ہو سکے تو جس گاؤں کی سرحد میں جرم کا ہونا ثابت ہو تو وہاں کے مقدموں اور زمینداروں سے مال کا معاوضہ ولایا جائے، اور جبکہ مقام واردات مشتبہ ہو تو چاروں سمت کے ملحقہ زمینداروں سے بقدر نقصان مال، حصہ رسدی معاوضہ دلایا جائے، مجرم کی گرفتاری پر اول اس کی تحقیقات کی جائے کہ وہ کس گاؤں میں پناہ گیر ہوا تھا، ثابت ہونے پر اس گاؤں کے مقدم

سے ان زمینداروں کو معاوضہ دلایا جائے جو پہلے شخص ضرر رسیدہ کو ادا کر چکے ہیں، اس کے بعد مجرم کو سزا دی جائے، اور اگر مجرم نے بطور خود اصل مال مغروقہ پیش کر دیا تو مالکانِ مال کو وہ سامان دیا جا کر معاوضہ نقد جو ان کو دیا جا چکا ہے واپس لیکر مستحقین کو واپس دیا جاتا۔

قتل کی صورت میں یہ حکم تھا کہ بشرط گرفتاری قاتل اُس گاؤں کے مقدم کو قید رکھا جائے جس کی سرحد میں قتل کی واردات ہوئی ہو، تلاش قاتل کے لئے اگر وہ مہلت چاہے تو ضمانت پر آزاد کیا جائے، ناکامی کی صورت میں اس کو اُس وقت تک قید رکھا جائے جب تک کہ مجرم گرفتار ہو کر شرعی سزا کو نہ پہونچے، اور اگر مجرم کی گرفتاری و حاضری سے مقدم قطعی مایوس ہو جائے تو آخری حکم یہ تھا کہ قاتل کی عوض اُس کو سزا دی جائے۔

یہ اخیر حکم غیر شخص کے قصاص یا دوسری قسم کی تعزیر کے متعلق بظاہر اس قدر سخت معلوم ہوتا ہے کہ اگر موجودہ دور کی قانونی عدالتوں میں اس مسئلہ کو پیش کیا جائے تو ججان ہائیکورٹ اور ممبران مجلس وضع قوانین اس کو بے رحمی، سفاکی، اور بیدادگری پر محمول کر کے واضع قانون کو وحشی، جاہل، غیر مہذب قرار دیکر علانیہ اس کا مذاق اڑائیں، لیکن حقیقت بین نگاہوں کو آج کل سہل ترین وسائل گرفتاری، اور اُس وقت کی عام مشکلات، جرائم کی کثرت، اور ان کی علانیہ و خفیہ اعانت کے اسباب پر نظر کر کے غور کرنا چاہیئے کہ جہاں جس زمانہ میں جنگل جھاڑیوں کی کثرت ہو، رہزنی، قتل اور غارتگری جیسے جرائم کا روزانہ تفریحی مشغلہ ہو، باشندوں میں جہالت ہو تو میں جنگجو ہوں، آج کل کی طرح باقاعدہ پولیس نہ ہو، قریب قریب پولیس اسٹیشن نگرانی کے لئے نہ ہوں، قانون اسلحہ نہ ہو، وہاں بغیر عبرت نما سیاست، اور سوائے تدابیر و پولیٹکل حکمت عملیوں کے معمولی احکام و قوانین سے نتیجہ خیز انسدادی صورت کا پیدا ہونا محال ہوتا ہے۔

سلطان شیر شاہ نے ایک مدت کے تجربہ کے بعد اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ گاؤں میں مقدموں کا وجود ہر قسم کے لوگوں کے لئے پناہ ہوتا ہے، اور بغیر مقدموں کی سازش اور چشم پوشی کے وارداتیں نہیں ہوتیں، اور اگر شاذونادر مقدموں کے علم و ایماء کے بغیر کوئی واقعہ ہوا

بھی تو وہ لوگ اپنے قتل کے خوف سے اصل مجرم کے پتہ لگانے میں سعی و کوشش زیادہ کرکے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اسباب و علل اور اپنے وسیع تجربات و مشاہدات کے بعد اس نے اس قسم کے احکام جاری کئے تھے، جو بہت زیادہ مفید و کارآمد ثابت ہوئے، تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نظر سے نہیں گذرا کہ شیر شاہ نے اصل مجرم کے بجائے کسی دوسرے شخص کو قصاص کی سزا دی ہو، اور ایک متشرع بادشاہ سے ایسی امید ہو سکتی ہے، البتہ ایسی مثالیں تاریخ میں نظر سے گذری ہیں کہ شیر شاہی قوانین و خوف کے اثر سے مقدموں نے اصل مجرمین کو تلاش کرکے پیش کر دیا ہے، اور وہ اپنی برئیت نیز بار معاوضہ سے بچنے کے لئے خود پاسبانی کا فرض ادا کرتے تھے۔

مورخ داؤدی لکھتا ہے کہ اٹاوہ کے قریب ایک قطعہ زمین پر باہم زمینداروں میں تکرار ہوئی، ایک آدمی ان میں سے ہلاک ہوا، اور قاتل فرار ہو گیا، تلاش سے جب اس کا سراغ نہ ملا، اور سلطان شیر شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو اس نے دو آدمی اس ہدایت کے ساتھ رقبہ واردات پر مقرر کئے، کہ کسی ایک درخت کو کاٹنا شروع کریں، جو شخص موقع پر پہونچکر مانع ہو اس کو اپنے ساتھ لائیں، تعمیل حکم میں مقررہ آدمی پہونچے، گاؤں کے مقدم نے آکر ان کو درخت کاٹنے سے روکا اور وہ گرفتار ہو کر سلطان کے سامنے لایا گیا، شیر شاہ نے مقدم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تجھکو بعید فاصلہ سے ایک درخت کے کاٹے جانے کی خبر ہو گئی، اور اسی جگہ ایک آدمی کا گلا کٹ گیا اس وقت تو غافل رہا، یہ کہکر حکم دیا کہ یہ شخص اور اس کے گاؤں میں اور جتنے مقدم ہیں سب قید کئے جائیں، تین روز کی مہلت ہے، اگر اس میعاد میں قاتل کو تلاش کرکے پیش نہیں کیا تو سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی، اس تخویفی حکم کا یہ اثر ہوا کہ مقدموں کے رشتہ داروں نے میعاد کے اندر قاتل کو لاکر پیش کر دیا، جس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا، اور مقدموں نے قید سے آزادی پائی۔

یہی وہ شیر شاہی انسدادی احکام تھے کہ جن کی روشنی میں عام مسافرین سونا اچھالتے ہوئے راستوں میں سفر کرتے ہوئے نظر آتے تھے، اور ان پر کسی رہزن کو آنکھ اٹھانے کی مجال و ہمت

نہ ہوتی تھی، بلکہ یہ کہنا عین حقیقت پر مبنی ہے، کہ شیر شاہی سطوت اور سیاست نے اس کے عہد میں تمام امن سوز جرایم کا ایسا سدِ باب کیا تھا کہ لوگوں کو اپنی جان و مال کی پاسبانی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی تھی؎

چناں سایہ گسترد بر عالمے
کہ زالے نیندیشد از رستمے

فرشتہ لکھتا ہے:

"در عہدش امنیت بمرتبہ بود کہ متردّدین در صحرا و بیاباں ہر جا کہ میرسیدند از کالائے خود اندیشہ نکردہ بفراغت مے غنودند، گویند اگر زالے باسبدے پُر از طلا در صحرا شبہا خواب کردے حاجت پاسباں اصلا نبودے"

سیاست کے ذریعہ سے انسداد مظالم

سلطان شیر شاہ رعایا کا عاشق تھا، اور حق یہ ہے کہ راعی کے فرائض کو جس قدر سمجھکر دلسوزی اور مستعدی کے ساتھ اس نے ادا کیا ہے، سلاطین ہند کی تاریخ میں اس کی مثال بہت کم نظر آتی ہے، رعایا کے ساتھ مراعات شاہانہ کے صدور میں شفیق باپ سے کم نہ تھا، ان پر اگر کوئی زیادتی کرتا، سختی کرتا، ظلم کرتا، تو سلطان کے دل پر چوٹ لگتی، اور وہ اسی وقت اس کا کافی انتظام کرکے دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہوتا، بلامعاوضہ رعیت سے نہ خود کوئی چیز لیتا نہ دوسروں کو لینے دیتا، عمال کو تاکید تھی کہ خراج مقررہ سے ایک دانہ زیادہ دیوان شاہی میں داخل نہ ہونے پائے، مقدم یا زمیندار زیادہ ستانے کے مرتکب ہوتے تو ان کے حقوق ضبط کرلئے جاتے، اور سزا دی جاتی، لشکر کے کوچ کے وقت سختی سے ہدایت کی جاتی کہ راستہ میں زراعت کا نقصان نہ ہونے پائے، کسی مجبوری سے زراعت پامال ہو جاتی تو فوراً اس کا تخمینہ کرکے معاوضہ ادا کرتا، زبانی ہدایت، اور منادی کے علاوہ اثنائے سفر میں لشکر سے الگ ہو کر جانچ کرتا کہ عمداً کسی سوار یا پیادہ نے درختوں کو پامال تو نہیں کیا، سواری کے وقت اس کا یہ عام اصول تھا کہ دائیں بائیں زراعت پر نگاہ ڈالتا

رہتا' ہدایت کے خلاف اگر کسی کی نسبت زراعت کا نقصان ثابت ہو جاتا تو اس کے کان کترواکر حکم دیتا کہ جو کچھ اس نے کھیت میں سے کاٹا ہے اس کے گلے میں لٹکایا جائے۔ اس کے بعد لشکر کے گرد اس کو پھرایا جاتا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔

لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ساربان سے اس قسم کا قصور سرزد ہوا' شیر شاہ کے حکم سے اس کی ناک چھیدی گئی' اور جو کچھ اس نے کاٹا تھا وہ رسی میں باندھ کر اس کی ناک میں لٹکایا گیا لشکر کے گرد پھرا کر اس کی تشہیر کی گئی' اور اس سفر میں اسی ہیئت کے ساتھ اس کو ہمراہ رکھا گیا اس حکم کا یہ اثر تھا کہ بحالت قیام' سوار و پیادے قریب کی زراعت کی خود رات بھر حفاظت کرتے کہ مبادا صحرائی جانوروں یا کسی طریقہ سے زراعت کا نقصان ہونے کی صورت میں وہ خود ماخوذ نہ ہو جائیں۔

شیر شاہ کی یہ احتیاط خود اس کی قلمرو کے اندر ہی مخصوص نہ تھی' غیر محکومانہ علاقوں میں بھی اس کا یہی عمل تھا کہ نہ زراعت پامال ہونے دیتا نہ رعیت کو اسیر کرتا' نہ ان سے بلا اجرت کام لیتا' نہ بلا معاوضہ کوئی شے حاصل کرتا۔

خود سلطان کا قول یہ تھا کہ رعیت بادشاہوں کے جاہ و جلال' شان و شوکت کا ذریعہ' اور ملک کی آبادی کا وسیلہ ہے' وہ بے گناہ ہوتی ہے' غالب کی اطاعت کرتی ہے' اگر میں اس کو آزار دوں گا تو وہ بددعائیں دے گی' جس کا نتیجہ زوال سلطنت کی صورت میں نکلے گا' پھر یہ شعر پڑھتا

گریزد رعیت ز بیداد گر
کند نامِ زشتش بہ گیتی سمر

شجاعت خان' شیر شاہی امراء میں مقتدر ہستی کا انسان' اور صوبہ مالوہ کے متعدد اضلاع کا جاگیردار تھا' قانون شیر شاہی کی رو سے جاگیر کی آمدنی میں جاگیر کے تمام سوار و پیادے بھی حقدار تھے' ایک مرتبہ جبکہ آمدنی کے تقاسمہ کا وقت آیا' شجاعت خاں کے مشیروں نے اس سے کہا کہ سپاہ کے

معینہ حقوق سے ایک حصّہ آپ اپنی جیب خرچ کے لیے رکھکر باقی دو حصّہ تقسیم کر دیجیے، یہ تعداد اُن کے لیے کافی ہے۔ ع

بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند

شجاعت خاں راضی ہو گیا، اس مشورہ کی خبر سپاہ کو پہنچ گئی، ان میں سے دو ہزار سواروں نے عہد و پیمان شرعی کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا کہ اگر واقعی شجاعت خاں مشیروں کی رائے کے مطابق ہمارے حقوق میں دست اندازی کرے تو سلطان شیر شاہ کو اطلاع دی جائے، جس سے انصاف کی امید ہے، اس وقت صرف شجاعت خاں کے لشکر سے الگ ہو کر اسے متنبہ کر دینا چاہیے، بالآخر اُن دو ہزار سواروں نے شجاعت خاں کے لشکر سے جدا ہو کر اپنے وکیل کے ذریعہ سے اسے پیغام دیا کہ امرا کا فرض ہے کہ وہ سپاہ کا پورا حق ادا کریں، ورنہ بدنامی و رسوائی ظاہر ہے، اس پیغام کے پہونچنے پر شجاعت خاں نے اپنے ہوا خواہوں سے دوبارہ مشورہ کیا، جنھوں نے اس کو یہ غلط رائے دی کہ آپ کے پاس دس ہزار سپاہ ہے، اور وہ صرف دو ہزار ہیں اگر اس وقت ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا تو آپ کی کمزوری کی دلیل ہوگی، اس لیے اُن کو سخت، اور سیاست آمیز جواب دیا جائے، تاکہ دوبارہ ان کو اس قسم کا حوصلہ نہ ہو، شجاعت خاں نے اس مشورہ کو منظور کر لیا، اور سپاہ کو سخت جواب دیدیا

اِدھر تو شاہی پرچہ نویسوں نے شیر شاہ کو تمام حالات سے اطلاع دی، اُدھر سپاہ نے اپنا وکیل شیر شاہ کی خدمت میں روانہ کیا، ابھی سپاہ کا وکیل راستہ ہی میں تھا کہ سلطان کے پاس پرچہ پہونچ گیا، سیاستانہ جوش میں آ کر اُسی وقت شجاعت خاں کے وکیل[۵۱] کو سامنے بلوایا اور حکم دیا کہ شجاعت خاں کو ابھی لکھدے کہ تو فقیر تھا، میں نے تجھکو امیر کیا، اور ان افغانوں کو جو تجھ سے افضل تھے تیرا محکوم بنایا، پھر بھی تیرا پیٹ تیری جاگیر کی آمدنی سے نہیں بھرتا کہ غریب سپاہ کے حقوق میں دست اندازی کرتا ہے، میں نے قانون داغ اسی لیے ایجاد کیا ہے کہ طامع امرا محکوم سپاہ کے حقوق میں دست اندازی نہ کر سکیں، یاد رکھ، اگر تو میرا پروردہ نہ ہوتا تو اس قصور میں تجھے قتل کرا دیتا

---

[۵۱] شاہی زمانہ میں عام قاعدہ تھا کہ ہر امیر و سردار کا ایک ایک وکیل دار الخلافتہ میں حاضر رہتا تھا ۱۲

میں تیری اس پہلی خطا کو صرف اس شرط پر معاف کرتا ہوں کہ سواروں کے وکیل کے پہونچنے سے قبل اُن کو رضامند کرلے، ورنہ وکیل کی حاضری اور فریاد پر تیری جاگیر میں تغیر کرنے کے ساتھ تجھے بھی سزا دینی پڑے گی۔

وکیل کے ذریعہ سے شجاعت خاں کو شاہی پیغام پہونچا، خوف سے کانپ اُٹھا، اور اس بات کو غنیمت سمجھکر کہ ابھی اس کے خلاف کوئی تعزیری حکم صادر نہیں ہوا، فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر سپاہ کے خیموں تک پہونچا، عجز و انکساری کے ساتھ معافی چاہی، ان کا پورا حق ادا کیا، فقراء کو علیحدہ کھانا تقسیم کیا، اور ایک تیز رفتار سوار بھیجکر سپاہ کے وکیل کو راستہ سے واپس بلالیا، سپاہ سے راضی نامہ حاصل کرکے سلطان کی خدمت میں بھیجدیا، تاہم وہ ندامت آمیز لہجہ میں کہا کرتا کہ اب کس منہ سے سلطان کے سامنے جاسکوں گا، اور جب تک کہ سلطان کی خدمت میں اصالتاً پہونچکر معافی نہیں چاہی اُس وقت تک اتنا بڑا امیر سلطانی اثر سے کانپتا رہا۔

ایک مرتبہ خضر خاں صوبہ دار بنگال نے سلطان شیر شاہ سے استمزاج کئے بغیر، سلطان محمود شاہ (آخری سلطان بنگال) کی بیٹی سے شادی کرکے صدر نشینی کی رسم ادا کرلی (بنگال کے معزز خاندانوں میں اس وقت یہ ایک رسم تھی، جسے وہاں کی زبان میں توڑی کہتے ہیں) شیر شاہ نے اس واقعہ کو صوبدار کی خود مختارانہ گستاخی پر محمول کیا، اُس کو تاب صبر نہ رہی، جھٹ سے فوراً بنگال کی طرف نقل و حرکت کی، خضر خاں نے استقبال کیا، تاہم اس اطاعت شعاری سے اُس کا سیاسی جوش ٹھنڈا نہ ہوا، اور اُسی وقت اُسے آہنی زنجیروں میں مسلسل کرکے نظربند کرلیا، اور کہا نافرمان بندوں کی یہی سزا ہے، اس قسم کی بیسیوں مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں،

اُصول جہانبانی کے سلسلہ میں سیاست ایک ایسا تازیانہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے ملازم اور رعایا کو قانون و احکام شاہی کی پابندی کے لئے مجبور کیا جاسکتا ہے، اور یہی ایک تریاق ایسا ہے جس سے مظالم کے زہریلے اثرات کا زائل کرنا ممکن ہے، جہاں سیاست نہیں وہاں کی حکومت کو معطل بلکہ مردہ سمجھنا چاہئے۔

شیر شاہ فرائض حکومت کے ایک ایک نکتہ سے واقف تھا، اس نے سلطنت حاصل کرنے کے بعد تمام نکتوں سے کام لیا، اور جس قابلیت سے لیا وہ اسی کا خاص حصہ تھا۔ اس کے ماتحت سلاطین لودی کے عہد کے بہت سے با اثر امراء موجود تھے، حکومت نئی تھی، استقلال و استحکام کو زمانہ چاہیے تھا، لیکن یہ اسی سیاست کا اثر تھا کہ کبھی اس کے طاقتور امرا خود مختاری یا خلاف ورزی احکام کا خواب تک نہ دیکھ سکے، افغانی قوم جیسی کچھ جہالت کے ساتھ اس زمانہ میں جنگجو اور آزاد تھی دنیا پر روشن ہے، ان کے مطیع و فرمانبردار بنانے میں شیر شاہ نے جس سیاسیانہ تدبر سے کام لیا ہے وہ حیرت انگیز ہے، خلوت، جلوت، سفر، حضر بلکہ زندگی کے ہر لمحہ میں ہر محکوم فرد یہی سمجھتا تھا کہ سلطان شیر شاہ سامنے موجود ہے، جہاں سیاسی اثرات اس قدر وسیع ہوں وہاں کی حکومت کو بھی مکمل، اور شان و شوکت کی حکومت سمجھنا چاہیے۔

ذرائع خبر رسانی استحکام و انتظام ملک کے سلسلہ میں محکمۂ خبر رسانی کا وجود بہت ضروری ہے، اور اس اہم ضرورت کی طرف ہر ایک شاہی ملک نے اپنے اپنے زمانہ کے تمدنی طریقہ کے لحاظ سے توجہ کی ہے، موجودہ زمانہ کے اعلیٰ تہذیبی ترقی، آئینی اور پُرامن دور میں بھی انسدادی تدابیر کا بھی محکمہ بہترین اور کار آمد ذریعہ مانا گیا ہے،

شیر شاہ کے عہد میں آج کل کی طرح نہ سلسلۂ تار برقی تھا، نہ لاسلکی جیسا آلۂ خبر، نہ ٹیلیفون تھا، نہ ہوائی جہاز، نہ ریل تھی، نہ موٹر کار، تاہم شیر شاہ نے جو وسائل خبر رسانی کے مہیا کیے اور ان کے استعمال کا جو طریقہ ایجاد کیا، وہ اس وقت کی تہذیب و ترقی کے لحاظ سے قابل تعریف ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سلطان شیر شاہ نے ۱۷۰۰ سترہ سو سرائیں شاہراہوں کے کنارے دو، دو کوس کے فاصلہ سے تعمیر کرائی تھیں، اگرچہ وہ سرائیں مسافروں کے قیام، اور ان کے آرام و راحت کے لیے مخصوص تھیں، لیکن شیر شاہ کی دماغی جدت نے ان ہی سراؤں کا

ت کے لیے بھی مخصوص کر دیا تھا، جس میں دو سوار ہر وقت موجود
رہے اُس نے تین ہزار چار سو گھوڑے اور اسی قدر سوار خبر رسانی کیلئے
رکھے، جن کے ذرائع سے بنگال، پنجاب، مالوہ، راجپوتانہ، بہار وغیرہ ملکوں سے
خبریں پہونچتی تھیں، اور ان ہی کے ذریعہ سے فوری احکام انتظامیہ اطراف ملک میں
جاری ہوتے۔ اس کے علاوہ کوئی پرگنہ کوئی سرکار کوئی صوبہ، کوئی لشکر کوئی امیر ایسا نہ تھا
جہاں شاہی جاسوس نہ ہوں، ان جاسوسوں کے ذریعہ سے اس امر کی بھی نگرانی کی جاتی
کہ قوانین شیر شاہی کی، امراء اور عمال کس طریقہ سے اور کس حد تک تعمیل کرتے ہیں، مورخ
مارشمین لکھتا ہے کہ مسلمان فرمانرواؤں میں سلطان شیر شاہ پہلا فرمانروا ہے، جس نے ڈاک
کا انتظام سواروں کے ذریعہ سے کیا۔

وقائع نگاران و سوانح نگاران شیر شاہی ہر پرگنہ اور ہر ضلع میں علحدہ تھے، غرض
خفیہ اور علانیہ ذرائع خبر رسانی کا تمام ملک میں ایسا جال بچھا ہوا تھا، کہ ملازمین اور رعایا کا
اس میں سے نکلنا دشوار تھا، ہر شخص اپنی خانگی گفتگو میں بھی یہ سمجھتا تھا کہ شیر شاہ سامنے ہے
اور کسی کی مجال نہ تھی کہ قوانین شیر شاہی کی خلاف ورزی کر سکے۔

ڈاک کے گھوڑوں کے سفر اور رفتار کا اندازہ ان مثالوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ
حسین طشت بردار شاہی نے ایک دن میں تیس کوس کی منزل طے کی تھی، اور دوسری مرتبہ اس
نے تین دن اور تین رات میں قلعہ ... سے چھوٹا ... تک
کی سو کوس کا سفر کیا تھا۔

ممکن ہے کہ آج کل کی تہذیب و تمدن کے زمانہ میں اتنا طویل سفر اس قدر کم مدت میں لوگوں
کو حیرت میں ڈالنے والا ہو، لیکن چونکہ خبر رسانی کا دار و مدار اسی ڈاک پر تھا تو سمجھ لینا چاہیے
کہ سوار اور گھوڑے بھی تازی، چالاک، مشاق اور مستعد نہ ہوں گے، اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ
اسی موثر ذریعہ سے اطلاعیں پہونچنے پر انقلابات و مفاسد کے سیلاب اور اندرونی اور سرحدی

مقامات سے ایک دم پھٹ کر اُفق صاف ہو جاتا تھا، تو حیرت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی،

قانون داغ | جاگیر کے گھوڑوں کے کسی حصۂ جسم پر گرم لوہے کے ذریعہ سے داغ دیکر بعض مخصوص امتیازی حرفوں کے نمایاں کر دینے کا نام **قانون داغ** تھا، اور یہ قانون سلطان شیر شاہ کے دماغی غور و فکر کا نتیجہ تھا، جیسا کہ خود اُس نے بیان کیا ہے، کہ میں نے سلطان ابراہیم لودی اور ما بعد زمانہ میں دیکھا ہے کہ بیشتر امرائے شاہی مکر و فریب کے ذریعہ سے سپاہ کی تعداد المضاعف بتا کر دیوان شاہی سے ماہانہ وصول کرنے میں بہت چالاک تھے، اور جب ان کو ان کی حیثیت اور سپاہ کے مصارف کے لحاظ سے جاگیریں مل جاتیں تو اکثر سپاہ کو اُن کا حق ادا کئے بغیر اپنے پاس سے جدا کر دیتے، اور ضرورت کے لائق کم تعداد میں ملازم رکھکر کثیر منافعہ حاصل کرتے، اگر کسی وقت سپاہ کا معائنہ، اور اُن کی حاضری سلطانی حکم سے ہوتی تو اِدھر اُدھر سے عارضی طور پر لوگوں کو بھرتی کر کے مقررہ تعداد پوری کر دی جاتی، اور شاہی خزانوں سے تنخواہوں کا روپیہ حاصل کر کے اپنے خزانہ میں داخل کر لیتے اس دغا بازی کا نتیجہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت امراء کی امدادی سپاہ کی کمی کے باعث سے سلاطین وقت کو ہزیمت نصیب ہوتی، اور خود مع اپنی سپاہ کے فرار کو کارگذاری کا اصلی جوہر سمجھتے، چونکہ ایسے لوگ اپنی اس حرکت سے اپنے مالک کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے، اس لئے اپنے اندوختہ روپیوں سے دوبارہ ساز و سامان درست کر کے کسی دوسرے حکمرانوں سے عارضی ملازمت کا تعلق پیدا کر لیتے، اب جب کہ خدائے غالب برتر نے مجھ کو صاحب تاج و تخت کیا ہے، تو اپنے گذشتہ مشاہدات و تجربات کی بنا پر بہت زیادہ غور و فکر کے بعد امراء اور منصب داروں کی فریب کاریوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے میں نے قانون داغ کا آلہ ایجاد کیا ہے، امید ہے کہ آئندہ جاگیردار و منصب دار نہ تو خود ناجائز فائدہ اُٹھا سکیں گے، اور نہ غریبوں کو اُن کے جائز حقوق سے محروم کر سکیں گے۔

درحقیقت قانون داغ جن مصالح کو پیش نظر رکھکر جاری کیا گیا تھا، وہ امید سے زیادہ

شیر شاہ کے عہد میں مفید ثابت ہوا، کوئی شخص بلا داغ کے تنخواہ حاصل کرنے کی جرأت نہ کر سکتا نہ امراء کو سپاہ میں کمی بیشی کا موقعہ ملتا، جائزہ کے وقت داغدار جانوروں سے تمام میدان لالہ زار نظر آتا۔

سواروں کے علاوہ عام ملازموں کا نام معہ حلیہ ایک جداگانہ رجسٹر میں درج ہوتا اس کو بھی داغ کہتے، اس داغ نے یہاں تک ترقی کی کہ شاہی محل کے خاکروب اور اُن کی عورتیں بھی داغ سے نہ بچ سکے، کسی کی مجال نہ تھی کہ بلا ثبوت داغ کے ماہانہ حاصل کر سکے، احتیاط یہاں تک تھی کہ سلطان شیر شاہ خود اپنے سامنے گھوڑوں کو داغتا، پیادوں کے چہرہ لکھوا کر خود تنخواہیں مقرر کرتا، جہاں بادشاہ وقت بذات خاص اس قدر تکلیف و محنت گوارا کرے تو ظاہر ہے کہ وہاں مکر و فریب کی گذر کب ہو سکتی ہے۔

نیاید بہ نزدیک دانا پسند

شباں خفتہ و گرگ در گوسفند

محکمہ عدالت سلطان شیر شاہ، متبع شریعت، اور مقلد آثار صحابہؓ سلطان تھا، اس لئے دیوانی و فوجداری عدالتوں کو اس نے شرعی بنیاد پر قائم کیا۔ فصل خصومات کے لئے اس نے ہر ایسے پرگنات میں قضاۃ مقرر کئے، جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی، قاضیوں کو صدر الصدور امور مذہبی کے ماتحت کیا، جس کا دار القضاء، دار الخلافت میں تھا، عام انتظامی امور کیلئے ضلع کے صدر قاضیوں سے ان کا تعلق رکھا، قاضیوں کو ان کی خدمات کے معاوضہ میں تنخواہیں کم اور اراضیات معافی اس قدر تعداد کی دی جاتیں، جن کی آمدنی سے اُن کے متعلقین کی گذر ہو سکے، شرعی خصومات کی جس قدر اقسام ہیں، ان کی رجوعات بھی قاضیوں کی عدالت میں ہوتی، اس زمانہ میں قاضیوں کی عدالتیں رجسٹراری کا کام بھی انجام دیتیں، یعنی جائداد غیر منقولہ کے انتقال کی دستاویزیں اس وقت مکمل سمجھی جاتیں جب اُن پر عدالت کی مہریں ثبت ہو جاتیں۔

شیر شاہ کی طرف سے قضاۃ کی تقرری کی جو اسناد دی جاتیں، اُن میں اس امر کی بھی ہدایت ہوتی کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، اور نماز ظہر کے بعد یہ عمل لازم قرار دیا گیا تھا، کہ خود قاضی، اور تمام مقتدی دس دس تیر پھینکنے کی مشق رکھیں۔

اس تیر اندازی کی ہدایت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ طریقہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد کی تعمیل میں اُس نے جاری کیا تھا، اس لئے کہ بہ سلسلۂ جہاد حدیث[۱] میں شہسواری، اور تیر اندازی کی مشق کی تاکید آئی ہے، اور سیکھنے والوں کے لئے ثواب کی بشارت ہے، نماز کے بعد اس کا شغلہ دو حال سے خالی نہیں، ایک یہ کہ مسجدوں میں مسلمانوں کی کثیر جماعت فریضۂ نماز ادا کرنے کے لئے خود بخود جمع ہو جاتی ہے، اُس سلسلہ میں تیر اندازی کی مشق بھی دوسری عبادتوں کی طرح بہ آسانی ادا ہوتی رہے گی، اور لوگ فن سپہگری میں مشاق رہیں گے، دوسرے یہ کہ جب غیر مسلم جماعت اس طرح مسلمانوں کا اتحادی منظر دیکھے گی تو اُس پر دبدبۂ اسلامی کا اثر پڑے گا اور وہ ہمیشہ اسلامی جماعت سے مرعوب رہے گی۔

مالوہ کے بعض پرگنوں میں مؤلف نے خاندان قضاۃ میں شیر شاہی عہد کی سندیں دیکھی ہیں جن کے ذریعہ سے اب تک خاندانی افراد معافیات سے مستفیض ہیں، نمونہ کے طور پر سرونج کے قدیم خاندان قضاۃ کی نقل سند ذیل میں درج کی جاتی ہے:

فرمان شیر شاہی — مرقوم غرہ ماہ رمضان المبارک ۹۴۹ھ
سن تسعۃ واربعین وتسعمائۃ

انکہ عہدہ داران حال، وہمہ جاگیرداران وکروریان وشقہ داران و

---

[۱] حضرت عقبہ بن عامرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک تیر کی عوض تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، ایک جہاد کی نیت سے تیر بنانے والا، دوسرا پھینکنے والا، تیسرا دینے والا اور فرمایا کہ گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی کی مشق کرتے رہو، مجھے تیر اندازی گھوڑے کی سواری سے زیادہ پسند ہے، ہر کھیل ناجائز ہے مگر تیر اندازی اور گھوڑے کی تعلیم و تربیت، اور اپنی بیوی سے مذاق یہ تینوں باتیں حق اور جائز ہیں، ۱۲

کارکنان استقبال پرگنہ سرونج سرکار چندیری مضاف رائسین بدانند کہ سی صد و نود بیگھہ شیر شاہی منجملہ بعض محال پرگنہ سرونج در وجہ مدد معاش فضائل مآب امانت آیات تقویٰ شعار قاضی رکن الدین محمد و بعض ائمہ عظام دادہ شد، باید کہ زمین مذکور چنانچہ مسطور ست معین دانستہ پیمودہ تسلیم نمایند و از جمیع ابواب دیوان معاف و بے طلب دانند، مشار الیہ مذکورین در قصبہ مذکور آبادان و متوطن باشند و طلب علم بکنند. و در مسجد جامع نماز با جماعت بگذارند و وقتہ نیز بعد ادائے نماز ظہر بیندازند، درین باب تاکید زیادہ تطلبند، فقط (اس کے بعد ناموں اور رقبہ کی تفصیل درج ہے)

فوجی نظام سلطان شیر شاہ کی دور بین نگاہ سے ہندوستان کا کوئی سرحدی یا اندرونی مخدوش یا غیر مخدوش مقام پوشیدہ نہ تھا۔ جہاں جس قدر فوج کی ضرورت تھی، اُسی مناسبت سے اس نے افواج کو تقسیم کیا، بیشتر قلعہ جات چھاونی کے لئے موزوں تھے، اس لئے اُسے نئی چھاونیاں قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

پنجاب کی سرحد پر کشمیریوں، اور گکھروں کے علاقے کی زیادہ حفاظت کی اس لئے ضرورت تھی کہ اُس ملک کے باشندے نہایت سرکش اور متمرد تھے، بارہا افواج شیر شاہی نے اُن کو زیر کیا، لیکن امن پسند رعیت پر ظلم کرنے، اور شاہی لشکر سے مقابلہ کرنے میں پھر بھی دلیر تھے، اس لئے سلطان نے سب سے زیادہ بھاری فوج قلعہ رہتاس خورد پر متعین کی، جسے خود شیر شاہ نے پنجاب کی سرحد پر تعمیر و آباد کیا تھا، جس نے امن قائم رکھنے میں قابل اطمینان امداد کی اسی طرح کم و بیش اکثر مقامات پر افواج کی تعداد تھی، تاریخوں سے جس قدر تفصیل معلوم ہو سکی حسب ذیل ہے:

(۱) قلعہ رہتاس خورد (پنجاب) ۳۰ ہزار فوج (۲) قلعہ ملتان ۵ ہزار (۳) پرگنہ

ہٹ کا نت میں ۱۲ ہزار (۴) قلعہ گوالیار میں ایک ہزار بندوق دار (۵) قلعہ بیانہ میں
ایک ہزار سوار (۶) قلعہ رنتھنبور میں ۱۶ سو بندوق دار (۷) قلعہ چتور گڈھ میں ۱۶ سو بندوق دار
(۸) قلعہ مانڈو میں ۱۰ ہزار سوار اور ۷ ہزار بندوق دار (۹) قلعہ رائسین میں ایک ہزار توپچی،
سوار علاوہ (۱۰) قلعہ چنار گڈھ میں ایک ہزار بندوق دار (۱۱) قلعہ رہتاس (ملک بہار)
۱۰ ہزار بندوق دار (۱۲) بنگال میں ایک لاکھ ۱۳ ہزار سوار، فوج پیادہ علاوہ، اسی طرح
لکھنؤ، سنبھل، کالپی، ناگور، اجمیر، دلی، آگرہ وغیرہ بڑے بڑے مقامات میں علحدہ فوج تھی،
پرگنات میں جو افواج حفاظتی مقرر تھی، اُس کی تعداد مجموعی ایک لاکھ ۱۳ ہزار بیان کی
گئی ہے، جاگیرداروں اور منصب داروں کے پاس جو فوج تھی وہ اس سب کے علاوہ ہے،
جاگیرداروں کے پاس سپاہ کی جمعیت کا یہ طریقہ تھا کہ کسی کو پانسو سواروں کسی کو ہزار سواروں
اور کسی کو ۱۲ ہزار سواروں تک کا بادشاہ کی طرف سے منصب عطا کیا جاتا، ساتھ ہی سواروں
کی تنخواہ اور منصب داروں کی امیرانہ حیثیت کے مصارف کے لائق پرگنات جاگیر میں دے جاتے
کہ اس کی آمدنی سے سواروں کا صرفہ ادا کرتے رہیں اس طرح وہ فوج شاہی فوج سمجھی جاتی
لڑائی کے وقت اُس سے کام لیا جاتا، سالانہ اس فوج کی جانچ ہوتی،
شیرشاہ کی کل افواج کی صحیح تعداد کسی مورخ نے نہیں لکھی، صرف اس قدر لکھ کر چھوڑ دیا ہے
کہ اس کی فوج بے شمار تھی،

اوپر کی سطروں میں سپاہ کی تقسیم جو بتلائی گئی ہے، اس کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ سوار، اور
پچیس ہزار پیادے، ہر وقت شیرشاہ کے پاس رہتے، جو اُس کی فوری نقل و حرکت کے وقت
کام آتے، ان تمام فوجی تفاصیل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شیرشاہ کا فوجی نظام
وسیع اور اعلیٰ پیمانہ پر تھا، اور وہ اُس سے ہندوستان کے باہر بھی کام لینا چاہتا تھا، مگر عمر نے
وفا نہ کی ؎ آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔
مفصلات کے علاوہ شاہی فیل خانہ میں پانچ ہزار ہاتھی جنگی اور سواری کے تھے، گھوڑے

لاتعداد بنائے گئے ہیں، جنگی ضرورتوں سے گھوڑوں کے خریدنے، اور سپاہ کو بخشش کرنے میں شیرشاہ بیحد فیاض تھا، جس طرح فوجی جوانوں سے اُسے محبت تھی، اسی طرح گھوڑوں کا بھی عاشق تھا، تاکید تھی کہ اپنی جانوں کی طرح گھوڑوں کی نگرانی، اور ان کی ہر طرح کی حفاظت رکھی جائے، تاکہ میدان جنگ میں اشارہ پر کام دے سکیں، ہر گھوڑے پر قانون داغ کے مطابق داغ لگایا جاتا، سوار و پیادوں کی چہرہ نویسی الگ ہوتی، ایک ایک کی تنخواہ سلطان شیرشاہ خود مقرر کرتا، کسی ماتحت افسر کی مجال نہ تھی کہ وہ کسی ماتحت کو اُس کے حقوق سے محروم کرے، یا مکروفریب سے زیادہ ماہانہ حاصل کر سکے۔

تعمیرات فوجی، اور ملکی، انتظامات کے ساتھ ساتھ سلطان کو قلعہ جات اور عام ضروری عمارتوں کی تاسیس و تعمیر کی طرف بھی توجہ رہی، استعماری سلسلہ جو اس نے جاری کیا تھا، اُن میں سے قابل یادگار حسب ذیل آثار ہیں: (۱) قلعہ رہتاس[51] خورد، یہ قلعہ لاہور دارالملک پنجاب سے ۶۰ کوس اور دریائے بہت سے ۸ میل کے فاصلہ سے ہندوستان اور کابل کی سرحد پر تعمیر ہوا تھا، جس میں ۳۰ ہزار فوج ہر وقت رہتی تھی، استحکامی اساس میں دوسرے قلعے اس کے ہمسر نہ تھے ٹوڈرمل کھتری اس قلعہ کا میر تعمیر تھا، دوران تعمیر میں اس نے شیرشاہ کے پاس اس مضمون کی درخواست بھیجی کہ یہ ملک گکھروں کا ہے جن کے باشندوں کو مزدوری سے نفرت ہے، اور انہوں نے باہم اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ جو شخص مزدوری کرے گا وہ جلاوطن کر دیا جائے گا، شیرشاہ نے حکم لکھا کہ کثرت مصارف اور زر و سیم کی طمع سے میرے ارادے اور امثال میں تغیر نہیں ہو سکتا، ٹوڈرمل نے حکم کی منشا کو سمجھ کر اعلان کر دیا کہ ایک پتھر لانے والے کو ایک اشرفی دی جائے گی اشرفیوں کی بارش نے گکھروں کو قلعہ کی تعمیر پر لگا دیا، میر عمارت نے اس قوم کو عادی کرنے کے بعد تدریجاً ایک اشرفی کے بجائے ایک روپیہ اور ایک روپیہ سے ایک ٹنکہ[52] یومیہ مزدوری

---

[51] جس پہاڑ پر قلعہ رہتاس تعمیر ہوا اس کا قدیم نام بالناتھ تھا۔ اب یہ مقام ضلع جہلم میں ہے ۱۲

[52] ٹنکہ شاہی زمانہ میں چاندی کا سکہ، موجودہ کلدار کے ۱۰ ار کے قریب تھا ۱۲

پر رضی کرلیا، اس طرح ایک کثیر رقم صرف ہونے کے بعد قلعہ مکمل ہو گیا۔

(۲) قنوج کی قدیم آبادی کو مسمار کرکے، اینٹ مٹی کا نیا قلعہ بنوایا، جس کا نام اپنے نام کے انتساب سے شیر گڑھ رکھا۔

(۳) بہرہ کھنڈ میں قلعہ تعمیر ہوا، جس کا نام بھن کنڈلی رکھا۔

(۴) کوہستان بہرہ کھنڈ میں ایک اور قلعہ بنوایا، جو قلعہ شیر کوہ کے نام سے مشہور ہوا

(۵) اس وقت دہلی کی آبادی جمنا سے دور تھی، قدیم آبادی کو مسمار کرا کے جمنا کے کنارے جدید آبادی کا سنگ بنیاد رکھا جس میں دو قلعے تعمیر ہوئے، چھوٹا قلعہ شاہی سکونت کے لئے، بڑا قلعہ عام آبادی کے لیے، اس کے گرد شہر پناہ کی فصیل کی بھی تعمیر کا حکم دیا تھا، لیکن حصار پورا نہ ہونے پایا تھا کہ شیر شاہ کی زندگی کا وقت پورا ہو گیا۔

چھوٹے قلعہ میں ایک جامع مسجد نہایت حسین بنوائی تھی، جس میں لاجورد اور سنگ رنگی کے پتھر لگوائے تھے، ان پتھروں میں صنعتی نقش و نگار کا ایک باغ لگا ہوا تھا۔

سلطان شیر شاہ کا قول تھا کہ اگر میری حیات مستعار نے وفا کی تو اپنی قلمرو کے ہر ایک پرگنہ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دوں گا جو شاہی عمال اور شہری آبادی کا مامن ہو اور وہ تعمیر حسب قدر وسعت، اور خیالات میں جتنی بلندی تھی، اس کی تکمیل کے لئے اطمینان اور کافی وقت درکار تھا، پنج سالہ ایک قلیل عہد سلطنت اس کے ہر دگر اہم کی تکمیل کے لئے بہت ہی ناکافی تھا، تاہم دیگر انتظامی ابواب کے ساتھ جو کچھ اس نے عمارتی آثار یادگار چھوڑے وہ کچھ کم نہیں ہیں۔

مہمان سرائے، اور سڑکوں کی تفصیلات (جو شیر شاہی عہد کی اعلیٰ یادگاریں تھیں) "رفاہ عام" کے عنوان میں اوپر گذر چکی ہیں۔

شیر شاہی نظام کا خلاصہ اور اس کی عمر

غرض سلطان شیر شاہ نے اپنے پنج سالہ عہد سلطنت میں مستقبل کو کامیاب اور متمدن بنانے میں جس بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے وہ اس کا محیر العقول کارنامہ ہے، وہ اگرچہ اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود سلطنت کے

ہر شعبے، ہر صیغہ میں تنظیمی داغ بیل ڈالنے، اور ہر ایک آئینی عمارت کے نقشے تیار کرنے میں برابر مشغول رہا، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ تنہا تھا، اپنے تجربات کی بنا پر وزرا پر بہت کم اعتماد رکھتا تھا، تاہم اس نے جس قدر بھی آئینی نقش و نگار یادگار چھوڑے ہیں، اور وہ خود جس سیادت، سطوت، رعب و اثر کے ساتھ ہندوستان پر چھا گیا تھا، دوسرے بادشاہوں کو پچیس، تیس سال کی مدت حکمرانی میں بھی وہ بات نصیب نہیں ہوئی،

اس کی عمر ۷۰ سال سے کچھ متجاوز ہو چکی تھی، اس لئے اپنی کمزوری کا اُسے احساس ہو چلا تھا۔ کبھی کبھی جب وہ گلستانِ سلطنت کی چمن بندی، اور ایوانِ مملکت کی آئینہ بندی سے مسرور ہو کر آئینہ میں اپنی سفید ڈاڑھی دیکھتا تو متاسفانہ انداز میں کہتا کہ "ہنگامِ نمازِ شام بمقصد رسیدم" افسوس ہے کہ اُس کا جانشین سلیم شاہ، باپ کے نقشِ قدم پر نہ چل سکا، گو اُس نے ۸ سال جلال و عظمت کے ساتھ سلطنت کے کام کو چلایا، لیکن اپنی نخوت اور سخت گیر پالیسی سے افغانی امرا کو ذلیل رکھا، جس سے سلطنت کی تباہی کی بنیاد پڑ گئی اور آگے چل کر آلِ سور کی باہم خانہ جنگیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ شیر شاہ نے جس سلطنت کو پندرہ بیس سال کی محنت میں حاصل کیا تھا اُنھوں نے دو سال کے اندر کھو دیا سچ ہے:

تمام نسلِ بزرگاں اگر نکو باشند
زبحر زادہ تنک ظرفیٔ حباب چہ راست

چھٹا باب

خصائل شیر شاہی

معدلت گستری | انسانی اوصاف میں عموماً، اور حکمرانوں کے خصائل میں خصوصاً،

معدلت گستری ایسا بے بہا جوہر ہے۔ جو ہر قوم، ہر مذہب، ہر ملت میں مقبول، محبوب، اور پسندیدہ نظر ہے۔ سلطان شیر شاہ اس وصف میں کامل، اور سلاطین ہند میں بہترین عادل گذرا ہے کوئی طاقت، خواہ وہ داخلی ہو، یا خارجی، مقدمہ کی سماعت، اور اُس کا اخیر فیصلہ صادر کرنے وقت اس کے عدالتی قوی کو مغلوب اور متنزلزل نہیں کر سکتی تھی، وہ داوگری کے محاسن سے جتنا واقف تھا، اُتنا ہی اُس پر عامل بھی تھا، اور اس عملی قوت نے اُس کی عدالتی شہرت پر چار چاند لگا دئے تھے، جس کی بنا پر رعیت نے اُسے سلطان عادل کا لقب دیا تھا۔

سلطان شیر شاہ اپنی علمی طاقت، اخلاقی معلومات، اور تجربہ کی وسعت کی بنا پر کہا کرتا تھا کہ عدل کی برابر دوسری طاعت نہیں، کفر و اسلام دونوں عدل کے مستحق ہیں، اور یہ وہ جوہر ہے جس کی خوبی سے کسی قوم کو انکار نہیں ہے، اگر مخلوق کے سروں پر شاہی عدالت کا سایہ نہ ہو تو اُس کا شیرازۂ جمعیت بکھر کر خود اوراق سلطنت کے بھی پُرزے پُرزے ہو جا ئیں اس لئے صاحب حکومت کو عابدوں کی طرح ہر وقت اور ہر موقع پر بیدار رہنا چاہئے، شاہی شان و شوکت کا یہ ہرگز اقتضا نہیں ہے کہ وزرا، اور اراکین سلطنت پر مہمات ملکی کو چھوڑ کر تعیش اور غفلت کی زندگی بسر کی جائے، میں اپنے پیش رو سلاطین کے حالات سے خوب واقف ہوں، میں نے عدل و داد کے ساتھ مہمات ملکی کو انجام دینے میں اُنھیں کامل عیار نہیں پایا، خود غرض اور راشی عمال کے بھروسہ پر اُنھوں نے حکومت کی ہے، نصفت شعاری کے قوانین سے نا آشنا رہے، جس کے نتائج زوال سلطنت کی صورت میں اُن کے سامنے آئے ہیں آج ہندوستان کا بادشاہ ہوں، اگر میں نے بھی دانستہ قوانین عدل سے انحراف کیا تو یقیناً نیکنامی کے بجائے بدنامی اور رسوائی کی دستار سر پر ہوگی ۔

فراخی دراں مرز و کشور مخواہ
کہ دلتنگ بینی رعیت ز شاہ

جس بادشاہ کے اقوال اس قدر پُر مغز اور صداقت آمیز ہوں، اور وہ اُسی صداقت کیشی

کے ساتھ اُس کے نفاذ پر قادر بھی ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھکر سلطان عادل کون ہو سکتا ہے، تاریخ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں کہ سلطان شیرشاہ کی عدالت میں یار و اغیار دوست دشمن، کفر و اسلام کا کوئی امتیاز نہ تھا۔

ایک روز شہزادہ عادل خاں (شیرشاہ کا بیٹا) ہاتھی پر سوار ہوکر تفریحاً آگرہ کے کسی کوچہ سے گذرا، ایک بقال کی بیوی اپنے مکان کی چھت پر برہنہ نہا رہی تھی۔ شاہزادہ کی نگاہ اس پر پڑی، پان کا بیڑہ اس کی طرف پھینکتا اور اس پر نگاہ ڈالتا ہوا نکل گیا۔ عورت حیادار تھی فرط ندامت اور غیرت سے اس نے اپنی ہلاکت کا ارادہ کیا۔ بقال عین وقت پر پہنچا، حالات سنکر بیوی کو خودکشی سے باز رکھا، اور وہی پان کا بیڑہ لئے ہوئے سیدھا شیرشاہی دربار میں پہونچا۔ شیرشاہ نے اس کا استغاثہ سنا، سخت مغموم اور متاسف ہوکر حاضرین دربار سے خطاب کیا کہ میری عدالت میں میری محبوب ترین اولاد اور رعایا برابر ہے یہ کہکر حکم دیا کہ ہاتھی پر فریادی کو سوار کرا کے عادل خاں کے مکان پر پہونچایا جائے اور اس کی بیوی کو حکم دیا جائے، کہ وہ فریادی کے سامنے آئے۔ فریادی کو اجازت دیجاتی ہے کہ یہی پان کا بیڑہ اس کی بیوی کی طرف پھینکتا ہوا چلا جائے، دربار میں اس شیرشاہی حکم سے رعب چھاگیا، کسی کو یارا نہ رہا کہ شاہزادہ کی عفو تقصیر کے بارہ میں زبان کھول سکے بنیاذی ہوش تھا، دربار کا رنگ دیکھکر اس نے دانائی سے کام لیا، اور سلطان سے دست بستہ عرض کی کہ میں انصاف کو پہونچ گیا، شاہزادہ نے میرا قصور کیا ہے، لہذا مجھکو حق ہے کہ میں معاف کروں، اور اس استحقاق پر میں نے شاہزادہ کا قصور معاف کیا۔ فریادی کی اس تقریر سے سلطان کا جلال کم ہوا، حقوق العباد کے عدم مطالبہ اور اس کی معافی پر اُسے اپنے حکم کو واپس لینے کے سوا چارہ نہ رہا۔

یہ ایک عادلانہ مثال باپ اور بیٹے کی بیان کی گئی ہے۔ جن کے مابین فطری جوش محبت کا دریا حائل ہے۔ اس سے اندازہ کرلینا چاہئے کہ جب سلطان شیرشاہ کی تیغ عدالت

بندِ الفت کے کاٹنے پر اس قدر تھا دہی تو عام رعایا کے خصومات کو فصل کرنے میں کس قدر تیز ہوگی ؎

ازاں بہرہ ورتر درآفاق کیست
کہ در ملک رانی بانصاف زیست

مُلّا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، صاحب منتخب التواریخ ۹۴۷ھ عہد شیر شاہی میں پیدا ہوئے، ۵۶ سال کی عمر میں تاریخ لکھی، اُس وقت سلطان شیر شاہ کے عام کارناموں کی توصیف و تعریف لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نوشیروان عادل کے عہد میں اپنی ولادت پر فخر تھا ٹھیک اسی طرح مجکو بھی سلطان عادل شیر شاہ کے عہد میں اپنی ولادت پر ناز ہے۔ ملا صاحبؒ کی تاریخ دانی اور مذہبی علوم میں جو وقعت ہے وہ کسی مورخ سے پوشیدہ نہیں، اور ان کا زمانہ شیر شاہی عہد سے زیادہ بعید بھی نہیں، اسلئے شیر شاہی عدالت کی بابت ان کا اس قدر مختصر فقرات لکھدینا مستند اور اعلیٰ سرٹیفکٹ سمجھنا چاہیے۔

اخلاق شان و شکوہ، صولت و سطوت، رعب و سیاست کے باوجود سلطان شیر شاہ کا اخلاق بہت وسیع تھا۔ دوسرے بادشاہوں کی طرح اس کو عام رعایا سے گفتگو کرتے میں عار نہ تھا، وہ اصلی حالات معلوم کرنے اور صحیح نتیجہ پر پہونچنے کے لئے بلا واسطہ بات چیت کرنے کو زیادہ پسند کرتا۔ جس توجہ کے ساتھ غریبوں کی داستانیں سُنتا، اسی طرح محبت آمیز انکو جواب بھی دیتا، شیر شاہ کی اس وسیع الاخلاقی نے عام رعایا اور ملازمین کو اسقدر بیخوف اور دلیر بنا دیا تھا کہ ذرا ذرا سی بات بھی بلا واسطہ اُسکے کانوں تک پہونچاتے، اُسکے دربار میں غریبوں اور فریادیوں کی کوئی روک ٹوک نہ تھی، اور وہ اس قسم کی مداخلت کو جہانبانی کے فرائض کے خلاف سمجھتا، سپاہیوں سے اس تلطف آمیز لہجہ میں گفتگو کرتا، جس طرح احباب مساویانہ بات چیت کرتے ہیں، اگر گفتگو کبھی اعتدال سے متجاوز ہوتی تو دوسروں کی دلشکنی کے خیال سے اپنے چہرے یا لب و لہجہ سے اپنی ناراضمندی

ھ ۱؎ ۱۰۰۴ھ میں تاریخ تمام ہوئی، اور اسی سال ۵۹ برس کی عمر میں انتقال ہوا ۱۲

کا اظہار نہ ہونے دیتا، بلکہ اس شیوہ بیانی کے ساتھ جوابی تقریر کرتا جس سے مخاطب کو اپنی غلطی کا خود احساس ہو جاتا، ازل سے مساوات پسند طبیعت لایا تھا، کبر و نخوت سے طبعاً بیزار تھا، خوشامدانہ طرز کلام سے اُس کو دلی نفرت تھی،

اخلاقی اشعار سلطان کو بہت زیادہ ازبر تھے، دوران گفتگو میں اکثر لوگوں کو سناتا اور سمجھاتا، اور اُن حکیمانہ اقوال کی پابندی کی ہدایت کرتا، انہی اوصاف کی بدولت اپنی رعایا اور فوج کا محبوب ترین بادشاہ تھا،

فیاضی | سلطان شیر شاہ کی فیاضی امرا کے لئے مخصوص نہ تھی، اس کا ابر کرم عالمگیر تھا جس سے فوج، رعیت، ملازم، علماء، مشائخ، مساکین، اور مسافرین سب فیضیاب تھے، اس کا معمول تھا کہ نماز صبح ادا کرنے، اور وظائف سے فارغ ہونے کے بعد دیوانخانہ میں آتا، حسب عادت حاجتمندوں کا اجتماع ہوتا، ہر ایک سے اُن کی ضرورتوں کو دریافت کرتا اور اُسیوقت پوری کر دیتا، اُس نے اس فیاضانہ جوہر کو اپنے عہد امارت اور سلطنت میں اس تیزی کے ساتھ چمکایا کہ غیر ممالک کی رعیت بھی بلا طلب فوجی رسد رسانی میں اخلاص کے ساتھ حصہ لیتی، اور انعام و اکرام سے مالامال ہو جاتی، دلشکنی کو سخت ترین عیب سمجھتا، تلاش روزگار میں جو شخص اُس کے درِ دولت پر آتا اسے محروم نہ کرتا، اور جگہ دیتا، بلاضرورت بھی سپاہیوں کی بھرتی کا سلسلہ جاری رکھتا۔ کہ اس کے ذریعہ سے لوگ معاش کی طرف سے بیفکر رہیں۔ علماء، مشائخ، قضاۃ، طلباء اور دیگر تمام اہل کمال کو اُس کے دربار سے مستقل وظائف کی سندیں دی جاتیں۔

مقامی عمال کے نام احکام جاری کرکے لنگڑے، لولے، اندھے، ضعیف، بیوہ، پردہ نشین، طلباء، فقرا، اور اشخاص مریض کی فہرست منگواتا اور ان کو ملاحظہ کرکے علیٰ قدر مراتب نقد وظیفے مقرر کر دیتا، جو لوگ پرگنات سے حاجت لیکر آتے تو اُن کی ضرورت پوری کرکے اور زاد راہ دیکر رخصت کر دیتا۔ خود شیر شاہ کا یہ قول تھا کہ بادشاہِ وقت پر لازم ہے

کہ وہ اپنے ملک کے ائمہ، مشائخ اور طالبانِ علم دین کے لئے مناسب وظائف مقرر کرتا ہے تاکہ وہ لوگ معاش کی طرف سے بیفکر ہو کر عبادت الٰہی، حصولِ علم دین اور مخلوق کی تعلیمی و تلقینی خدمات میں مشغول رہیں، اس لئے کہ ان کا مقدس وجود شہروں کی رونق و آبادی اور دینی علوم کی ترقیات و تبلیغ کا موثر ذریعہ ہے، دنیا میں ہر قسم کے لوگ اس وقت بھی تھے، اور آج بھی موجود ہیں، ائمہ و مشائخ بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں ہیں، شیر شاہ کے عہد میں بعض ائمہ نے فرمان و وظائف میں بھی جعلسازیاں کی تھیں، اس لئے مجبوراً اس نے یہ انسدادی ترکیب کی کہ اس کے دربار سے اسناد و وظائف اور جاگیر بالا بالا ان کو نہ دی جائیں، دیوانِ شاہی کو حکم ہو تاکہ اسناد لکھکر اس کے ملاحظہ میں پیش کریں، جب فرامین سامنے آتے خود پڑھتا، اور اپنے دستخط کر کے اپنے ہی سامنے ان پر شاہی مہر لگاتا، پھر لفافوں میں بند، اور ان کو سر بمہر کر کے معتمدین خاص کے حوالہ کرتا کہ خود لے جاکر مقامی شقہ داروں کے حوالہ کریں، شقہ دارانِ ول کو ہدایت کی جاتی کہ سرکاری کاغذات میں ان کا عمل کر کے اس کے بعد ائمہ وغیرہ مستحقین کو اسناد دی جایا کریں۔

افغانستان سے شیر شاہی سخاوت نے کثرت سے افغانوں کو ہندوستان کی طرف کھینچا، ملازمت چاہنے والوں کو ملازمتیں دیں، غیر مستقل امداد چاہنے والوں کو ان کی ضروریات اور خواہش کے مطابق نقد دیکر انکساری لہجہ میں کہتا کہ خداوند کریم نے ہندوستان کا ملک مجھے عنایت کیا ہے، اس کی آمدنی سے تمہارے لئے یہ حقیر ہدیہ ہے، وہ لوگ کامیاب ہو کر دعائیں دیتے ہوئے اپنے وطن واپس جاتے۔

علاقہ "روہ" ملک افغانستان میں شیر شاہ کے قبیلہ کے جو لوگ آباد تھے، اس قبیلہ کے ہر گھر کے لئے آدمیوں کی تعداد کے مطابق سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔

شیر شاہ کا باورچی خانہ بڑا فراخ تھا۔ کئی ہزار ملازمان خاصہ شاہی روزانہ اس کے شاہی مطبخ میں کھانا کھاتے۔ کھانے کے وقت اعلان کر دیا جاتا کہ رعیت، سپاہ، مشائخ، ائمہ

علما، جن کو خواہش ہو شاہی مطبخ میں پہونچکر کھانا کھائیں، لوگ کثرت سے پہونچتے، اور سیر ہو کر
دعائیں دیتے ہوئے واپس جاتے ؂

بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

محتاج و مساکین کے لئے علیحدہ لنگر خانے جاری تھے جن کا روزانہ خرچ پانسو ۵۰۰ اشرفی تھا۔
دورہ کے سلسلہ میں جس وقت شیر شاہ سندھ میں مقیم تھا، اس کے وطن علاقہ روہ سے بکثرت
افغان اس کے پاس آئے، ہر ایک کو انعام و اکرام سے اس نے نوازا۔ شیخ بایزید ایک
خدارسیدہ بزرگ بھی اس جماعت کے ہمراہ تھے، وہ بھی ملاقات کو آئے۔ سلطان نے اعزاز
و احترام کے ساتھ ان کو مہمان رکھا، اور رخصت کے وقت علاوہ مختلف قیمتی تحائف کے
ایک لاکھ تنکہ (جس کی مقدار سکہ کلدار کے پچاس ہزار روپیہ کے برابر ہوتی ہے) عطا کیا۔
دوبارہ یہی بزرگ ۹۴۹ھ میں سلطان سے ملنے سارنگ پور (مالوہ) تشریف لائے، سلطان نے
اسی طرح ان کی تعظیم کی، رخصت کے وقت مقررہ تحائف، اور ایک لاکھ تنکہ کے عطیہ کے علاوہ
دو ہزار بیگہ اراضی معافی کی بھی ان کو سند دی گئی،

لشکر کے ہمراہ ہمیشہ لنگر خانہ بھی ہوتا، جہاں قیام ہوتا وہاں کے ملحق الحد و محتاجوں کو
کھانا کھلایا جاتا، فیاضی کی شہرت سنکر ہر مقام پر مساکین و فقرا کثرت سے آتے اور سیر ہوکر
جاتے۔

امرا اور عام مستحقین کو اس نے کثرت سے جاگیریں دیں، مثلاً خواص خاں کو سرکار سرہند
مسند عالی عیسےٰ خاں کو سرکار سنبھل، میاں احمد شروانی کو سرکار دہلی، بیرک نیازی کو قنوج،
شجاعت خاں کو مانڈو، مندسور، ہنڈیا وغیرہ، اسی طرح ہندوستان کا بڑا حصہ فیاضی کے ساتھ
جاگیروں میں تقسیم کر دیا تھا، یہ خاص اسی سلطان کا حصہ تھا، کہ جاگیر و انعام دیکر بیحد مسرور
ہوتا، اور عجز کے ساتھ خدا کا شکریہ ادا کرتا ؂

چو بینی دعا گوئی دولت ہزار ٭ خداوند را شکرِ نعمت گذار

قدر دانی و قدر افزائی | سلطان شیر شاہ میں جہاں اور اوصاف تھے وہاں ارباب کمال کے جوہروں کو پرکھنے اور اُن کی حیثیتوں کے مطابق اعزازی و امتیازی قیمت لگانے میں بھی اُس کو کمال تھا، ظاہر ہے کہ ہُنر مندوں سے بہتر اہل ہُنر کا قدر شناس دوسرا نہیں ہو سکتا خود اہل کمال بھی اُسی جوہری کی طرف متوجہ ہوں گے جو اُن کی اصالت کا نقاد ہو ع

کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

شیر شاہ ایک سپاہیانہ حیثیت سے سلطان ابراہیم لودی کے عہد میں نمودار ہو کر ملازمت کی تلاش میں نکلا تقریباً بیس سال تک ملازمت، امارت، اور سلسلۂ فتوحات میں مصروف رہ کر تاج شاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جنگی مشاغل کے زمانہ میں اُس نے جفاکشی کے ساتھ سپاہیانہ زندگی بسر کی، ہر قسم کے اہل کمالات سے صحبت رہی، چونکہ خود اُس میں مختلف صفاتی حیثیتیں جمع تھیں اس لئے اُس نے لوگوں کو ہر ایک صفتی معیار پر بارہا جانچا اپنے تجربات سے غیروں کو فائدہ پہونچایا اور خود بھی دوسروں سے مستفید ہوا، یہی وہ اسباب تھے کہ جب وہ سریر سلطنت پر جلوہ گر ہوا تو قدر دانی و قدر افزائی کے جوہر پہلے سے زیادہ اس میں چمکنے لگے،

یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ فیاضی اور قدر دانی، یہی دو تعویذ اس کے پاس ایسے لاجواب تھے کہ جن کی برکتی کششوں سے افغانوں نے متحد ہو کر ایسی مخلصانہ رفاقت دکھلائی کہ چند سال میں ان کا قدر داں شیر خاں سے، شیر شاہ اعظم ہو گیا،

پہلی مرتبہ جب سلطان محمود والی بنگال کو شیر شاہ نے شکست دیکر بہار پر قبضہ کیا ہے، وہ تاریخ، اُس کی فاتحانہ شہرت کی پہلی تاریخ ہے۔ اس کے بعد آگے چل کر جب اُس نے قدر دانی وحوصلہ افزائی کے مقناطیسی اثر سے کام لیا تو اُس کی کشش سے سلاطین بہلول، سکندر، ابراہیم لودی، شاہان گجرات، مالوہ، بہار، بنگال اور افغانستان کے بہترین دل و دماغ کے لوگ شیر شاہی علم کے نیچے جوق جوق جمع ہوتے ہوئے چلے گئے

اُن میں سے بعض نامور اور معتمد امیروں اور افسروں کے نام یہ ہیں:-

مسند عالی عیسیٰ خاں[1] شروانی بن خان اعظم خاں ہیبت خاں امیر و ندیم خاص سلطان ابراہیم لودی، اعظم ہمایوں[2] ہیبت خاں نیازی شروانی منصب دار سلاطین لودی خان اعظم[3] مسند عالی عمر خاں، سلطان بہلول لودی کے عہد میں لاہور کا جاگیردار اور اس کا معتمد ندیم تھا، دریا خاں[4] گجراتی، محمود شاہ گجراتی کا وزیر اعظم تھا، شیر شاہ نے اوجین کی حکومت اس کے حوالہ کی، عالم خاں[5] سردار گجراتی، شیر شاہ کے عہد میں سارنگ پور کا حاکم تھا، سعید خاں[6] نیازی، امیر الامراء[7] خواص خاں ولی، جلال خاں[8] جلوانی، میاں بھن[9] ساہو خیل قطب خاں[10] موچی خیل، غازی خاں[11] سور، سیف خاں[12] اچل خیل، حاجی خاں[13]، نصیب خاں[14] سکندر خاں[15]، ابراہیم خاں[16]، شجاعت خاں[17] صوبہ دار مالوہ، سرمست خاں[18] شروانی، حمید خاں[19] کاکڑ، قطب خاں[20] لودی، بلند خاں[21] شروانی، بجلی خاں[22] غازی، تاج خاں[23] کرانی، سلیمان خاں[24] کرانی، ایوب خاں[25] شروانی، ناصر خاں[26]، برفرید گوڑ، فتح جنگ خاں[27]، دریا خاں[29] شروانی شہباز خاں[30] حاکم رہتیں، عالم خاں[31] گجراتی حاکم سارنگ پور، شجاعت خاں[32] حاکم مالوہ، جنید خاں[33]، حاجی خاں[34] حاکم دھار، بیرک[35] نیازی حاکم قنوج، نصیر خاں[36] حاکم سنبھل، میاں احمد[37] شروانی حاکم دہلی، خلیل خاں[38] لوحانی، شمس خاں[39] لوحانی، ان ناموں کا میں نے سرسری طور پر انتخاب کیا ہے۔ خدا جانے اور کتنی مایہ ناز ہستیاں ہوں گی جن کی تصویریں صفحات تاریخ پر آج نمایاں بھی نہیں ہیں۔

علماء و مشائخ کی جماعت علیحدہ تھی، جن کو شیر شاہ کی قدر دانی نے دور و دراز گوشوں اور ملکوں سے کھینچ کر تاج شاہی کی دعا و برکت کے لئے تخت سلطانی کے گرد جمع کر دیا تھا۔ ان میں سے مولانا سید رفیع الدین صفوی ملا نظام الدین، حضرت شیخ خلیل دا ابن حضرت فرید الدین شکر گنجؒ کا نام زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ مولانا عبد اللہ سلطان پوری کو مخدوم الملک شیخ الاسلام کا خطاب اسی نے دیا تھا، جو عہد اکبری میں

زیادہ نمایاں ہو کر اخیر میں نظروں سے گر گئے تھے۔ جس طرح جاگیر دینے میں فیاض تھا، اُسی طرح امرا اور اہل کمال کو خطابات عطا کرنے میں بھی دریادل تھا، لیکن خطابات کی بارش بے محل نہ تھی

افسوس اس کا ہے کہ جس عالی دماغ انجنیر نے برسوں کی جفاکشی و محنت کے بعد جن اتحادی ستونوں پر افغانی سلطنت کی تجدیدی عمارت قائم کی تھی، وہ اُس کے بیٹے سلیم شاہ کی ناقدردانی وعدم توجہی سے ستونوں کے ہل جانے سے چند سال ہیں گر کر زمین کے برابر ہو گئی، اگر خواص خاں، مسند عالی عیسے خاں، اعظم ہمایوں حاکم پنجاب، خلیل خاں لوحانی وغیرہ، اپنے باپ کے بنائے ہوئے طاقتور افغانی امیروں کو نہ بگاڑتا تو وہی اتحادی ستون برسوں اپنی جگہ نام ونمود کے ساتھ قائم رہنے والے تھے ؎

دلِ بندگاں جمع بہتر نہ گنج
خزانہ تہی بہ نہ مردم بہ رنج

عبادات اور تقسیم اوقات سلطان شیر شاہ مذہباً حنفی، صوم وصلوٰۃ کا پابند، اور احکام شریعت پر سختی سے عامل تھا۔ رات کا تہائی حصہ باقی رہتا، اس وقت خوابگاہ سے اُٹھتا، غسل کر کے نماز تہجد نہایت عجز وانکساری کے ساتھ ادا کرتا، نماز سے فارغ ہو کر چار گھڑی تک وظائف اور اوراد میں مشغول رہتا، اس سے فرصت پاکر کارخانوں میں جاتا، حساب وکتاب دیکھتا، کارکنانِ سلطنت حاضر ہو کر خاص خاص مہمات کے متعلق رپورٹیں پیش کرتے سُنکر ہر ایک کا غذ پر خود احکام لکھواتا، وہی احکام ماتحت عمّال کے لئے دستور العمل ہوتے دوبارہ استمزاج کی حاجت نہ ہوتی، ان مشاغل میں صبح صادق ہو جاتی، دوبارہ وضو کرتا اور نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کرتا، آفتاب نکلنے تک اوراد میں مشغول رہتا، اس کے بعد امرا وسپاہ، سلام کو حاضر ہوتے نقیب عرض کرتا کہ فلاں ابن فلاں سلام کو حاضر ہے، پہلے نماز اشراق پڑھتا پھر حاضرین کو باریابی کی اجازت دیتا، ان کی حاضری پر دریافت کرتا کہ تم

میں سے کوئی شخص بغیر جاگیر کے تو نہیں ہے، اگر ہے تو میں اُسے جاگیر دوں، اہم کے وقت اگر کسی نے جاگیر کی استدعا کی تو میں اسے سخت سزا دوں گا، جو لوگ درخواست کرتے، ان کو سند جاگیر اُن کے مصارف کے لائق اسی وقت لکھکر حوالہ کی جاتی پھر پوچھتا کہ کوئی ستم رسیدہ حاضر ہے جس کی فریاد سنوں، داد خواہ حاضر ہوتے، غور سے ہر ایک کا بیان سنتا، اور ان کا فیصلہ اسی جلسہ میں سنا دیتا، ان کاموں سے فارغ ہو کر قدیم سپاہ کی موجودات لینا، جدید سپاہ سے اُن کی مادری زبان میں گفتگو کرتا، جو شخص فصاحت سے جواب دیتا اُس کو خطاب کرتا اور فرماتا کہ "کماں رازہ کُن" اگر وہ کمان کو اچھی طرح کھینچتا تو دوسروں کے مقابلہ میں اُسے تنخواہ زیادہ دیتا۔

اطراف ملک سے جو خزانے آتے وہ بھی اُسی وقت پیش ہوتے، پھر باری باری سے ارکانِ دولت، سفیرانِ غیر سلطنت، اور زمینداران پرگنات پیش ہوتے، ہر ایک سے فراخ دلی وخندہ پیشانی کے ساتھ بات چیت کرتا۔ اس کے بعد ہی مفصلات سے عمال کی جو عرائض آتیں وہ پیش ہوتیں جن کو لفظاً لفظاً سنتا، اور اسیوقت مناسب احکام لکھواتا سوا پہر دن چڑھے تمام ضروری کاموں سے فارغ ہو کر دوسرے محل میں جاتا مخصوص علما ومشایخ کو ساتھ لیکر کھانا کھاتا، اس سے فرصت پاکر سلطنت کے کاموں میں پھر مصروف ہو جاتا، دوپہر ہوتی تو اہلکاروں کو رخصت کرکے قیلولہ کرتا، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد اُٹھتا وضو کرتا اور ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا۔ پھر دیر تک تلاوت کلام مجید میں مشغول رہتا، تیسرے پہر سے عصر تک پھر سلطنت کے کاموں پر متوجہ رہ کر چار بجے نماز عصر باجماعت ادا کرتا، اگر اہم اور ضروری کام سلطنت کے نہ ہوتے تو شام تک سپاہ کے ساتھ فوجی کھیل یا دوسرے تفریحی مشاغل میں مصروف رہتا، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھتا، علما ومشایخ کی صحبتوں سے مستفیض ہوتا، عشا کی نماز اسی طرح جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد تین بجے رات تک آرام کرتا۔ اس نظام پر سفر وحضر میں سلطان ہمیشہ عامل رہا۔

مساوات پسندی وبے تعصبی

سلطان شیر شاہ سوری، مساوات پسند اور ایک غیر متعصب فرمانروا تھا ان ہی اوصاف نے اس کو زیادہ تر عام رعایا اور ملازمین میں مقبول و ہر دلعزیز بنا دیا تھا، اس میں نہ تو فرقہ پسندی کا رنگ غالب تھا، نہ مذہبی متعصبانہ جوش حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا، وہ اگرچہ اعتقاد و مذہبی کے لحاظ سے پکا مسلمان اور شریعت پرست سلطان تھا، لیکن اس نے سلطنت کے قواعد اور محاصل کے آئین کو ملکی رسم ورواج کے تحت جاری کیا، ہندوؤں کے حقوق زمینداری اور ان کے مذہبی رسوم میں کبھی مداخلت نہیں کی، مسلمانوں کی طرح مالی و ملکی عہدوں پر ہندو بھی برابر سرفراز رہے، ماہرین علوم و فنون کا بھی قدر داں تھا، خواہ اُن کا تعلق کسی ملت سے ہو، ایک ہندو بھاٹ کو (جو فن موسیقی اور شاعری میں کامل تھا) مہا پاتر (فاضل) کا خطاب دیکر اپنے پاس رکھا، چودھری اور قانونگو کے جو جدید عہدے اس نے قائم کئے تھے اُن پر ہندوؤں کو مقرر کر کے یہ مزید عنایت کی کہ ان عہدوں پر ان کا موروثی استحقاق بھی تسلیم کیا، جسے بعد کے سلاطین نے بھی قائم رکھا، اور آج بھی بعض دیسی ریاستوں میں اس استحقاق کی جھلک باقی ہے، رفاہ عام کے عنوان میں اوپر گزر چکا ہے کہ سرایوں میں مسلمان اور ہندوؤں کے آرام کے لئے مساویانہ انتظام کیا گیا تھا، ہمیشہ ہر قوم کو مساویانہ نظر سے دیکھتا، اس کے آئین حکومت میں کسی قوم کی عملی حیثیت سے کوئی تفریق نہ تھی، جس طرح اس کے ابر کرم کی بارش بلا امتیاز قوم و ملت عام رعیت پر تھی، اسی طرح انصاف وسیاست کے وقت کسی قوم کا خرمن خطا اس کی برق غضب سے مستثنیٰ بھی نہ تھا، بات چیت میں، حالات معلوم کرنے میں شان حکومت کو بالائے طاق رکھکر عام رعایا کو آزادانہ گفتگو کا موقع دیتا۔

اس کی حکومت تنگ نظر اور فرقہ پرست متعصبین کی مداخلت سے پاک تھی، وہ اسلام کی صحیح تعلیم سے واقف اور اس پر سختی کے ساتھ عامل بھی تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں ناواجب ٹیکس رعایا پر عائد نہ تھے۔

سکہ اپنے نام کا جو اس نے جاری کیا، وہ بھی اس کی غیر متعصبی کا ایک زندہ ثبوت ہے جس کے ایک رخ پر بخط فارسی "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ" اور دوسری طرف بخط ہندی "سلطان شیر شاہ سور خلد اللہ ملکہ، سلطان حفظ الدنیا والدین، سری شیر شاہ" کندہ تھا، ہندی حروف کی پوری نقل یہ ہے،

सुलतान शेरशाह सु हि फज़्लदन यावलहीन षल्ल हल्ल हि।
सुलतान हु रब्रि शेर षहु

سلیم شاہ کا سکہ بھی اسی قسم کا تھا، سلاطین ماسبق کے عہد میں اس کی مثال شاید ہو لیکن میری نظر سے نہیں گزری، اکبر اور جہانگیر کا عہد تالیف قلوب اقوام اور رعایا نوازی میں مشہور ہے، مگر ان کے عہد میں بھی اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔

چونکہ ہندوستان ہندوؤں کا ملک، اور زبان بھی ان کی ہندی تھی، اس لئے سکوں کے حروف پڑھنے اور سمجھنے کے لئے مذہبی تعصب کو دل میں جگہ نہ دیکر ناگری حروف کا سکوں میں نقش کرانا سلطان نے ضروری سمجھکر بے تعصبی کی عمدہ مثال قائم کی تھی۔

حکیمانہ وعالمانہ اقوال ذیل میں مختلف تاریخوں سے بعض شیر شاہی اقوال اقتباس کر کے درج کئے جاتے ہیں، جن سے اس کی وسیع النظری، دقیقہ رسی، نکات فہمی، سیاست دانی، فرائض شناسی، علمی قابلیت، تنظیمی طاقت، اور حکیمانہ فراست کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے،

(۱) بادشاہ کو لازم ہے کہ وہ اپنے خالق کی عبادت کیا کرے، اس سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ اس کے کاموں میں خدائے برتر کی حقیقی اعانت شامل رہے گی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ رعیت بھی اپنے بادشاہ کو سرگرم عبادت دیکھکر طاعت الٰہی کی طرف راغب ہوگی، زبانی تلقین سے یہ عملی تعلیم زیادہ موثر ہے۔

(۲) رعیت سے جس قدر بھی اظہار طاعت ہوتا ہے، اس میں بادشاہ وقت کی بھی شرکت ہوتی ہے۔

(۳) فسق و فجور مانع فلاح خلق ہے، اس لئے اس سے اجتناب لازم ہے۔

(۴) بادشاہوں پر ہر وقت خدا کے اس عطیہ کا شکر واجب ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان کا محکوم و مطیع بنایا ہے۔

(۵) خدائے پاک کے اوامر و نواہی کے خلاف کام کرنا سبب زوال ملک و دولت ہے۔

(۶) جو بادشاہ خدمت الٰہی کے لئے کمر نہیں باندھتا، خلق خدا اس کی اطاعت پر کمر نہیں باندھتی ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

(۷) بادشاہوں کا فرض ہے کہ رعیت کے ہر جائز کاموں کو عبادت کی طرح انجام دیں۔

(۸) رعیت کی قسمتوں کو غیر متدین، خود غرض، اور راشی عمال کے ہاتھوں میں دینا ملک کو برباد کرنا ہے، ؎

خدا ترس را بر رعیت گمار
کہ معمار ملک ست پرہیزگار

(۹) کفر و اسلام دونوں عدل کے مستحق ہیں

(۱۰) تمام انسانی صفات میں عدل افضل ترین جوہر ہے، اور اسی سے سلطنت کی بقا بھی ہے۔

(۱۱) بادشاہوں کو ہر وقت بیدار رہنا چاہئے، مہمات ملکی کو حقیر سمجھکر ارکان دولت کے حوالہ کرنا خطرناک غلطی ہے۔

(۱۲) عیش و آرام، تغافل و تجاہل، ملک کی بربادی کا پیش خیمہ ہیں۔

(۱۳) بادشاہوں کو وہ ذرائع اختیار کرنا چاہئے کہ ملک کے گوشہ گوشہ سے

روزانہ اُس کو ہر قسم کی اطلاعیں پہونچتی رہیں۔

(۱۴) ارکان دولت اور عاملان سلطنت کی ہر نقل و حرکت سے ہر وقت بادشاہوں کو مطلع رہنا چاہئے۔

(۱۵) رشوت گیرندہ، رشوت دہندہ کا دست نگر رہتا ہے، پھر رشوت گیرندہ سے دولت خواہی مفقود اور عدل رخصت ہو جاتا ہے۔

(۱۶) بادشاہوں کو رشوت گیر اور خود غرض وزیروں اور وکیلوں کو اپنے پاس نہ رکھنا چاہئے، اس قسم کے خائن وزرا سے حصول سلطنت میں مجھے خود امداد ملی ہے۔

(۱۷) سخت ترین دشمن سلاطین کے دو ہیں، ایک ظلم، دوسرا غفلت، ان کے وجود سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ایک تغیر دولت و تبدل نعمت کی صورت میں جس سے دنیا میں ندامت و رسوائی اور عاقبت میں ذلت و خواری، دوسرے ویرانی ملک و بربادی رعیت کی صورت میں جس کے سبب سے محصول کم وصول ہوتا ہے۔

(۱۸) بادشاہ عامۃ الناس سے ایک جماعت کو اس لئے منتخب کرتا ہے کہ وہ اُس کے ملک اور احکام کی حفاظت اور اجراء میں کوشش کرے، جب اس امتیازی عزت کے باوجود ویسی جماعت غفلت اور خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اسے سخت سزا دینی چاہئے۔

(۱۹) بڑے آدمی کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر وقت کام میں مصروف رہے۔

(۲۰) بادشاہوں کو ہمیشہ خیر اندیش مدبروں اور حکیموں سے مشورہ لینا چاہئے۔

(۲۱) بادشاہوں کا رعیت کی راحت کے لئے اپنا آرام چھوڑ کر ہر وقت مستعد و آمادہ رہنا عین صواب ہے۔

(۲۲) فاتحین کو لازم ہے کہ جو ملک اُن کے ہاتھ آئے اول اُسے اپنے زیر اثر لاکر خوب مستحکم کر لیں، جس سے اندرونی و بیرونی مداخلت کا کوئی خوف نہ رہے، اس کے بعد دوسری ولایتوں کی طرف پیشقدمی کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

چو داریم در کشورِ خود عدو
به دیگر دیار از چه داریم رو

شیر شاہ کی اصلی تصویر خلاصہ یہ ہے کہ پانچویں اور چھٹے ابواب میں نظامِ شیر شاہی اور خصائلِ شیر شاہی کی جو اصلی اور صحیح تصویریں ان تاریخی صفحات پر کھینچی گئی ہیں، ان پر غور کرنے سے اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، کہ سلطان شیر شاہ جس طرح شجاعت و بسالت میں یکتا، فتوت و شہامت میں عدیم النظیر، عقل و کیاست میں لاجواب، آئین و قوانین سازی میں بیعدیل، عدل و سیاست میں لاثانی، رعایا نوازی و قدردانی میں فرد تھا، اسی طرح مذہبًا نواہی سے مجتنب، اوامر کا پابند، حدیث و آثار صحابہؓ کا متبع، فقہ حنفی کا مقلد، بزرگان دین کا معتقد، اور علماء و مشائخ کا قدردان تھا۔ اس کا دربار شاہانہ جلال و عظمت، مہذبانہ شان و شوکت، عادلانہ خیر و برکت، حاکمانہ رعب و سطوت کا ایک لاثانی دربار تھا۔ بڑے بڑے سورما، بڑے بڑے نسلی شجاع، بڑے بڑے تیغ زن، بڑے بڑے صف شکن، جب اس کے سامنے جاتے لرزہ براندام رہتے۔ متمردوں اور سرکشوں کی گردنیں اس کے رعب و جلال سے جھکی ہوئی نظر آتیں، سفاک و ستمگروں کے ہاتھ اور پاؤں مرتعش نظر آتے، ناظمان و مدبران ملک اس کی دانائی و فراست سے سبق حاصل کرتے، عدالت اور انصاف کی جلوہ ریزیوں سے دربار تجلی زار نظر آتا، اس کے دربار کی شان سادگی، لاکھوں تکلفاتی زیور سے اعلیٰ و ارفع تھی، نہ وہاں نغمہ و سرود کو بار تھا، نہ چنگ و رباب کا گذر، نہ عیش و عشرت کے ساز تھے، نہ عاشقانہ سوز و گداز، نہ پری پیکروں کا جھرمٹ تھا، نہ دور ساغر و مینا، نہ الف لیلہ کی داستان تھی، نہ قصہ فرہاد و شیریں، نہ سیر و شکار کا تفریحی مشغلہ تھا، نہ خواب استراحت تھا، نہ قصیدہ خوانی تھی، نہ خوشامدانہ مدح سرائی، صرف تیغ و قلم سے اس کا مشغلہ تھا، اور ان ہی دونوں کو وہ اپنا بہترین رفیق و مشیر سمجھتا رہا، تیغ، فتوحات ملک، عدالت اور سیاست میں ہمیشہ اس کی فرمانبردار رہی، اور قلم، نظم آرائی کی خدمت انجام دیتا رہا،

ممالک پر حکومت کرنا آسان ہے، مشکل ترین لیکن بہترین حکومت وہ ہے جو رعایا کے دلوں پر جاری رہے، یہ خاص صفت شیر شاہ میں تھی کہ وہ رعایا کے دلوں کو مسخر کرنے میں جبر، سختی، استبداد یت، اور شاہنشاہی شان و شوکت کو کام میں لانے کے بجائے حلم، عفو، ہمدردی، اخلاق، انکسار، اور تواضع سے کام لیتا۔ یہی سبب ہے کہ حضر اور سفر میں ملکی و غیر ملکی رعایا پروانہ کی طرح اُس پر نثار تھی، اور خود سلطان بھی اس راز سے خوب واقف تھا کہ

اقلیم دل ز زور مسخر نمیشود
ایں فتح بے شکست میسر نمیشود

ساتواں باب

سلطان شیر شاہ کے کارناموں پر مورخانہ تنقید

اور

معترضین کے اعتراضات کے جوابات

ہندوستان میں شیر شاہ سے قبل، غوریوں، غلامان غوری، خلجیوں، تغلقوں، سیدوں لودیوں اور مغلوں کے جتنے شاہی خاندان گذرے ہیں، ان کے سلاطین کی تعداد سلطان شہاب الدین غوری سے لیکر ہمایوں تک ۳۱، اور مجموعی مدت سلطنت ۵۸۸ھ رائے پتھورا کی شکست سے ۹۴۶ھ ہمایوں کی ہزیمت تک تقریباً (۳۶۰) سال ہوتی ہے۔ مابعد کے سلاطین اکبر شاہ، جہانگیر شاہ، شاہجہاں، عالمگیر کو اور شامل کیا جائے تو سلاطین کی تعداد علاوہ آل سور کے ۳۵ تک پہونچ جاتی ہے۔ ان میں سے سلطان قطب الدین ایبک

سلطان شمس الدین التمش، سلطان ناصر الدین محمود، سلطان غیاث الدین بلبن، سلطان جلال الدین خلجی، سلطان علاء الدین خلجی، سلطان غیاث الدین محمد تغلق، سلطان محمد شاہ تغلق سلطان فیروز شاہ تغلق، سلطان بہلول لودی، سلطان سکندر لودی، اور سلطان ظہیر الدین بابر بابر کی اولاد میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اور عالمگیر ممتاز اور نامور سلاطین گذرے ہیں بعض ان میں سے شاہی خاندان کے چشم و چراغ، بعض رشتہ دار، بعض ارکان سلطنت اور بعض صوبوں کے گورنر (حاکم) تھے، جو گلستان شاہی میں پیدا ہوئے، یا جنھوں نے گہوارہ سلطنت میں پرورش و تربیت پائی۔ ایسے لوگوں کے دماغوں میں ہوائے سلطنت دلوں میں جوش امارت، خیالوں میں وسعت، طبیعتوں میں شاہی شان و شوکت، اور ارادوں میں استقامت کا پیدا ہونا فطری خاصہ تھا۔ مذہبی، اخلاقی، سیاسی، جنگی، اور دیگر اصول جہانبانی کی تعلیم و تجربات نے ان کے قابلانہ اور اولوالعزمانہ جوہروں کو اور زیادہ چمکایا جس کی روشنی میں سلطنت کی مشین کے کل پرزوں کو اپنی اپنی جگہ قائم کرنے اور اس کو باقاعدہ چلانے میں کامیاب سلاطین ثابت ہوئے۔

سلطان شیر شاہ کی حالت ان سے بالکل مختلف تھی، وہ اگرچہ خاندان سور کے اعزازی انتساب سے اپنے پیشرو سلاطین کے مقابلہ میں ممتاز تھا، لیکن تربیتی، تعلیمی اور محاسن ذاتی اوصاف میں ان کا ہمسر نہ تھا۔ وہ حسن خان سور ایک معمولی جاگیردار کے گھر میں پیدا ہوا، پیدا ہونے کے چند سال کے بعد اس کو اپنی مادر مہربان کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو کر سوتیلی ماں کی حاسدانہ و معاندانہ سختیوں کا شکار ہونا پڑا، اور بالآخر وہ اپنے وطن سہسرام سے نکلنے پر مجبور ہوا نہ کوئی باقاعدہ تربیت ہوئی، نہ تعلیم، نہ آنکھوں نے جلوۂ امارت دیکھا، نہ شاہی شان و شوکت دادا ابراہیم خاں سور معمولی تاجرانہ حیثیت سے، یا بقول بعض نوکری کی غرض سے ہندوستان آیا، نہ خود وہ کہیں کا رئیس تھا، نہ اس کے اجداد کسی ملک کے خود مختار بادشاہ یا صوبہ دار تھے، آئین حکمرانی کی تعلیم نہ خود شیر شاہ نے پائی، نہ اس کے اسلاف نے، نہ اس کی ہمہ گیر

طبیعت نے سیاسی، جنگی، مذہبی، اخلاقی، ہر اس کا کبھی بار احسان اُٹھایا، نہ اُس کی خدا داد قابلیت کبھی کسی مدبر، سیاست داں، اور تجربہ کار اتالیق کی نگرانی و مشوروں کی محتاج ہوئی، فقیر سے امیر، سپاہی سے سپاہ سالار، اور گدا سے شاہ ہو جانا کچھ تعجب خیز امر نہیں ہے دنیا کی تاریخ اس قسم کی بیسیوں مثالیں پیش کر سکتی ہے، اور اس طرح کی انسانی ترقیاں آئین قضا و قدر کے خلاف بھی نہیں ہیں۔

لیکن ان تمام اضافی جوہروں کے فقدان کے باوجود اپنے پنج سالہ عہد سلطنت میں سلطان شیر شاہ نے، انتظامی، عدالتی، سیاسی، اور اخلاقی نقش و نگار جس قدر یادگار چھوڑے ہیں، اُن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ جہاز سلطنت کا بہترین ناخدا تھا۔

اوائل عمر میں شیر شاہ نے اپنے باپ کی جاگیرات کا جس تدبر کے ساتھ مافوق العادت انتظام کیا تھا، وہ اُس کی خداداد قابلیت کا ابتدائی خاکہ تھا جسے اُس کے مخالف مورخین نے بھی تسلیم کیا ہے، اس کے عاقلانہ کارناموں کی یہی وہ ابجد ہے، جس کے ذریعہ سے وہ ولایت بہار میں روشناس ہو کر عوام و خواص سے خراج تحسین حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، لیکن فتوحات ملکی کے سلسلہ میں فاتحانہ حیثیت سے سلطان شیر شاہ کی تصویر اُس وقت سے ہندوستان میں نمایاں ہوئی، جبکہ اُس نے ولایت بہار کی طرف سے والی بنگال کا مقابلہ کر کے اُسے سخت ترین شکست دی تھی، اس کے بعد جس ہوشیاری اور حکمت عملیوں سے افغانی منتشر افراد کو اپنی طرف مائل کر کے فتوحات پر کمر باندھی، اور رفتہ رفتہ دس بارہ سال میں جس جنگی ہنرمندی کے ساتھ ہمایوں جیسے زبردست اور فوجی طاقت کے سپاہ سالار کو دو مرتبہ شکست دی یہ خاص اسی کا حصہ تھا

یہ کس کو خبر تھی کہ جس شیر خاں نے چندیری کے مقام پر بابری لشکر اور اس کے ارکان دولت کی آرام پسندی و غفلت شعاری کا احساس کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر افغانی جماعتوں میں حقیقی اتفاق و اتحاد ہو تو میں چند سال میں مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے

میں کامیاب ہو سکتا ہوں) وہ کسی دن شیر شاہ کے لقب سے ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک ہوگا، گو اُس وقت اُس کے ہمراز دوستوں نے اُس کی اس گفتگو کو مجذوبانہ بڑ سمجھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ فقرات اُس کی زبان سے اتفاقیہ نہیں نکلے، وہ بچپن ہی سے پُرحوصلہ، غیور، اولوالعزم، بلند ہمت، اور وسیع النظر تھا، اس کے اقوال و اعمال اُس کے اندرونی جذبات کے آئینہ تھے، اُس نے اُس وقت جو کچھ کہا وہ حقیقی جذبات کا ایک جوش تھا، اور قدرت ہم خیال تھی، بالآخر دس سال کے اندر اُس نے اس پیشین گوئی کو حرف بحرف پورا کر کے نہ صرف ہنسنے والے دوستوں بلکہ دنیا کو دکھا دیا کہ ؎

عروسِ ملک کسے در کنار گیرد تنگ
کہ بوسہ بر لبِ شمشیر آبدار زند

کسی ملک یا ممالک کا انتظام فاتح سلاطین کے لئے اُس وقت آسان ہے، جبکہ بیرونی مداخلت اور اندرونی نزاعات سے اطمینان و دلجمعی ہو، مشیران ملک اور عاملان صوبہ کارکردہ، ہوشمند اور بہترین دل و دماغ کے معین و مددگار ہوں، تنظیم و تنسیق کے لئے کافی وقت ملا ہو، سلطان شیر شاہ ان نعمتوں سے بھی محروم تھا، پندرہ سال کا زمانہ اُس نے ملازمت اور فتوحات میں گذارا، اس کے بعد اگرچہ وہ خود مختار شہنشاہ ہند کی صورت میں جلوہ گر ہوا، تاہم ابھی اُس کو ہندوستان کے متعدد صوبوں میں شاہی تسلط قائم کرنا، اور باقیماندہ دشمنوں سے ملک کو صاف کرنا باقی تھا، اس کام کی تکمیل کے سلسلہ میں وہ جابجا فوجی نقل و حرکت کرتا رہا، فراغت اور یکسوئی اس کو ایک دن بھی نصیب نہیں ہوئی تھی کہ پنجبالہ عہد سلطنت اس کا چشم زدن میں تمام ہوگیا۔

شیر شاہ کے پاس جس قدر بھی امراء تھے وہ میدان جنگ کے مرد، اور بہادر جنرل تھے، ملکی نظم آرائی سے ان کو سروکار نہ تھا، اور اگر شاذونادر کسی میں یہ جوہر ہوا بھی تو شیر شاہ کی قوت انتظامیہ اُس کی رہین منت نہیں ہوئی، وہ دوسروں پر بہت کم اعتماد و بھروسہ رکھتا

تھا، اپنی بیدار مغزی سے تمام جزئیات پر اُس کو کامل دسترس تھی۔ معمولی سے معمولی احکام بھی اپنی زبان سے لکھوا کر جاری کرتا، وہ صحیح معنوں میں راعی بننے کا آرزومند تھا، خود اُس کا قول تھا کہ صاحب حکومت کو ہر وقت بیدار رہ کر مخلوق خدا کے کاموں کو عبادت کی طرح انجام دینا چاہیئے، مہمات ملکی کو حقیر سمجھ کر ارکان دولت کے حوالہ کرنا سلاطین کے فرائض کے خلاف ہے، اور اس قسم کی غفلت شعاری و آرام طلبی بربادیِ ملک کا پیش خیمہ ہے۔

سلطان شیر شاہ کے جنگی اور ملکی ہر قسم کے کارناموں پر نظر کرنے سے واضح ہے کہ وہ اپنے قول کے مطابق مستعد ترین سلطان تھا، اور اُس نے اس قلیل مدت میں جس شاہانہ بیداری، عدل گستری، رعایا پروری، اور انتظامی قابلیت کا اظہار کیا ہے، وہ اُس وقت کی مشکلات و موانع کے باوجود حیرت انگیز ہے، منصف مزاج مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں عموماً، اور افغانی سلاطین میں خصوصاً سلطان شیر شاہ کا جواب نہ تھا، اگر اُس کی عمر نے وفا کی ہوتی، اور اس کو دوسرے نامور بادشاہوں کی طرح کم از کم پندرہ بیس سال فراغت و اطمینان کے نصیب ہو جاتے تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنی بے نظیر آئینی طاقت سے ہندوستان کا سلیمان اعظم "قانونی" دادگری میں دوسرا نوشیرواں عادل، اور فاتحانہ اولوالعزمیوں میں سلطان محمد فاتح ثانی ہوتا، تاہم اس قلیل عرصہ میں اس نے آئینی، عدالتی، سیاسی، اور رفاہی جتنے بھی نقش و نگار یادگار چھوڑے ہیں، وہ اُس کے ذاتی وصفاتی مرقع آرائی کے زندہ ثبوت ہیں ؎

نوشیرواں نمرد کہ نامِ نکو گذاشت

شیر شاہی توصیف اور اُس کے مدبرانہ کارناموں کی توضیح سے یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ دوسرے نامور محولہ بالا سلاطین اسلام، نصفت شعاری، تدابیر ملکی، اور رعایا نوازی کے اوصاف سے بالکل معرا تھے، جو قابل تعریف باتیں شیر شاہ میں تھیں، وہ کمی بیشی کے ساتھ

دوسروں میں بھی نظر آتی ہیں، بلکہ بعض سلاطین علمی و اخلاقی اوصاف میں شیر شاہ سے بہت آگے تھے لیکن خاص طور پر حکمرانی اور فرائض شناسی کے اصول سے شیر شاہ جس قدر واقف اور اُن کو ترتیب و تہذیب کے ساتھ عملی صورتوں میں جلوہ گر کرنے پر جس قدر قادر تھا، دوسروں کا صحیفۂ نظام اُس سے خالی ہے۔ قوانین کے اختراع و جدت میں اس کا دماغ نہایت صحیح تھا، فوجی نقل و حرکت، اور قیام امن کی انسدادی تدابیر میں روزانہ مصروفیت کے باوجود اس نے جتنے قوانین جاری کئے، اور جس سرعت کے ساتھ وہ مقبول عام اور اثر خیز ہوئے، اُن کا عملی نفاذ مورخوں کو حیرت میں ڈالتا ہے، لیکن کسی جامع صفات سلطان کسی بے نظیر مدبر کسی فلاسفر وغیرہ کا عیب جو کی نکتہ چینیوں سے بچنا محال ہے، اس سے سلطان شیر شاہ بھی محفوظ نہ رہ سکا، دودمان مغلیہ کے مشہور مورخ علامہ ابوالفضل نے شیر شاہ پر کئی الزام لگائے ہیں: ایک یہ کہ قانون داغ، اور دیگر تمام قوانین جو اُس نے ملک میں رائج کئے اُس کے دل و دماغ کے نتائج نہیں ہیں، سلطان علاءالدین خلجی نے انتظامیہ سلسلہ میں جن مفید قوانین کا اجرا کیا تھا، اُن ہی کو رد و بدل کے ساتھ اس نے اپنے عہد حکومت میں نافذ کیا۔ علامہ ابوالفضل کی یہ عبارت ہے:

> شیر خاں در مقام ربط و ضبط شد و تمام ہندوستان را سوائے بنگالہ
> بچیں و ہفت انقطاع قسمت کرد، و داغ اسپ سپاہی درمیان آورد، و
> اندکے از تدبیرہائے بسیار سلطان علاءالدین را کہ در تاریخ فیروز شاہی تفصیل
> یافتہ است بعمل آوردہ (اکبرنامہ)

قانون داغ کی تصویر بیشک سلطان علاءالدین کے کارناموں کی فہرست میں نظر آتی ہے، اسی طرح اگر اور بھی مفید احکام کا اقتباس سلطان شیر شاہ نے کیا ہو، تب بھی الزام بے معنی ہے، تاریخ سلاطین ماضیہ شاہد ہے کہ ہمیشہ ایک سلطنت نے دوسری سلطنتوں کے کارآمد اور سہل العمل قوانین کو لیا ہے، روما، ایران، اور مصر کے بہترین تنظیمی قوانین کا اقتباس اسلامی خلافت میں بھی نظر آتا ہے، بنی امیہ، اور عباسیہ کے بھی آئینی اوراق اس سے خالی نہیں ہیں، موجودہ دو

کی متمدن سلطنتیں بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں، انتظامی قابلیت اور اختراعی طاقت کے صرف یہی معنی نہیں ہو سکتے کہ اپنے دماغ ہی سے کوئی نئی بات پیدا کی جائے، دوسروں کے ایجادی نقش و نگار کو سامنے رکھکر ترقی دینا، یا رفتار تمدن کے ساتھ ساتھ اُن کی شکل و شباہت کو تبدیل کر کے صورت نما لباس میں آراستہ کرنا بھی جدت کے مراوف ہے، ایک شاعر کسی مضمون کو نظم کرتا ہے، دوسرا شاعر اسی مضمون کو لفظی اور معنوی لحاظ سے ترقی دیتا ہے تو بزم ادب میں اس پر سرقہ کا الزام قائم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ترقی کے اعتبار سے وہ مضمون خاص اسی کا تسلیم کیا جاتا ہے، بظاہر وہ جدت محض بیکار رونمائشی ہے جس میں نہ تو خود کارآمد قوت ہو، اور نہ اس کے موجد میں کارآمد بنانے کی اہلیت ہو، اصلی جوہر عمل ہے، اس لئے تعریف کا مستحق وہی موجد ہو سکتا ہے جس نے رعایا کی استعداد و قابلیت، اور زمانہ کی ہر رطب و یابس حالت کا صحیح انداز کر کے کوئی دستور مرتب کیا ہو، اور عملی طاقت سے اس کی تعمیل پر کامیاب بھی ہو چکا ہو۔

سلطان علاءالدین خلجی کا قانون داغ کسی وجہ سے رائج نہ ہو سکا، اس کے برخلاف سلطان شیرشاہ نے جس مقصد کو پیش نظر رکھکر اُسے بجنسہ یا کسی قدر ترمیم کے ساتھ جاری کیا تھا، اس میں وہ کامیاب بھی ہوا، اسی اصول پر دیگر قوانین کے نفاذ کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے۔

ایک دقیقہ رس اور نکتہ فہم مورخ سے تعجب ہے کہ وہ دنیا کی تاریخی شہادتوں اور خود اکبری قوانین پر پردہ ڈال کر، دوسروں پر الزام لگانے میں ذرا انہیں جھجکا، اُسے پہلے اپنے ہی گریبان میں اپنا مُنہ ڈال کر دیکھ لینا چاہیئے تھا، کہ مشہور کتاب آئین اکبری میں جو احکام قوانین اکبری کے نام سے اس نے درج کئے ہیں (جس میں قانون داغ بھی شامل ہے)، اُن کا اصلی مصدر کس کا دماغ ہے، وہ لاکھ اپنے ذہن میں اپنے یا اکبر کے دماغی افکار کا نتیجہ سمجھتا ہو، مگر نقاد ان تاریخ خوب جانتے ہیں کہ ان میں بیشتر قوانین وضوابط شیرشاہی ہیں، جن کو مورخ ابوالفضل نے خود ترتیب دیکر اکبر کے نام سے منسوب کیا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من انداز قدت را مے شناسم

مورخ سلاطین افغانیہ لکھتا ہے:

در زمان سلطنت خود اکثر اختراعات شائستہ در مہام جہانبانی نمود و برخے قوانین سلطان علاء الدین خلجی کہ تاریخ فیروز شاہی بآں مشعر است پسندیدہ مدار کارہائے خود برآں ضوابط گزاشت، داغ اسپ را کہ پیش ازیں سلطان علاء الدین خلجی مقرر کردہ اما رواج نیافتہ بود رائج گردانید۔

اسی اکبری مورخ کا خوشامدی قلم سلطان شیر شاہ پر دوسرا الزام یہ لگاتا ہے کہ وہ غاصب سلطنت تھا، افسوس ہے کہ ایسا متبحر اور علامہ مورخ، اکبری آب و نمک کی تاثیر سے ایسا از خود رفتہ ہوا کہ اُس کو الزام لگاتے وقت یہ خیال بھی نہ آیا کہ یہی الزام خود اکبر، اکبر کے باپ ہمایوں، اور اُس کے دادا پردادا، بابر اور تیمور پر بھی تو صادق آتا ہے، اور ان کی غاصبیت کے وجوہات شیر شاہ کے مقابلہ میں قوی اور زبردست ہیں۔

اول تو سلطنت کے متعلق لفظ غصب کا استعمال ہی بالکل بے معنے ہے، ملک کسی کی میراث نہیں، جس کی جوہردار تلوار نے میدان جنگ میں اپنا جوہر دکھایا، اور اقبال و بخت نے یاوری کی، فاتحانہ حیثیت سے وہی مالک تخت و تاج ہوا، اور دوسرے ہم مقابل سلطان کو اُس سے محروم ہونا پڑا، چاروں برّاعظم کے تاریخی صفحات اس قسم کے واقعات سے سیاہ ہیں۔

ملک میراث نگیرد کسے
تانہ زند تیغ دو دستی بسے

اور اگر مورخ موصوف کے نزدیک سلطنت خاندانی میراث ہے تو اُسے لکھنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ سلطان شہاب الدین غوری سے لیکر سلطان ابراہیم لودی تک تقریباً ۳۴۵ سال ہندوستان میں افغان، غلامان افغان، خلجی، تغلق، سادات، اور لودیوں کا شاہی پرچم لہراتا رہا، یا مغلوں کا، بابر کو کیا حق تھا جس نے ۹۳۲ھ میں سلطان ابراہیم کو شکست دیکر تین سو پینتالیس سالہ افغانی

حکومت کا خاتمہ کیا' اگر یہ سچ ہے کہ اقلیم دوم ہندوستان پر بابر کا کوئی خاندانی استحقاق نہ تھا تو مورخ مذکور کی کمزور دلیل کے مطابق، غاصب سلطنت کا اطلاق بابر ہی پر صادق آتا ہے' ۔ شیرشاہ پر۔ سلطان شیرشاہ سوری شاہزادہ محمد سور کی اولاد سے تھا' جس کے اجداد سلطنت غور' (ملک افغانستان) کے نامور سلاطین تھے' اور اُن ہی کی اولاد سے محمد سام' المخاطب بہ شہاب الدین غوری تھا' جس نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنا ڈالی' اس کے بعد سلسلہ حکومت غلامان غوری سے نکل کر مختلف افغانی قبیلوں میں منتقل ہوتا رہا' اگر بابر اور ہمایوں کی ۱۴ سالہ حکومت کو اولٹ دینے میں شیرشاہ سور' افغانی نامور سپوت کامیاب ہوا تو یہ اس کا قوی استحقاق تھا' اور فتح ونصرت ہمرکاب تھی۔

کسے راکہ دولت کند یاوری
کہ یارد کہ باد کند داوری

ہسٹری آف انڈیا کا مشہور مؤلف جان کلارک مارشمین شیرشاہ کے حالات میں لکھتا ہے:

> شیرشاہ نے جو سلطنت اپنے قوت بازو سے حاصل کی اُس پر اُس نے نہایت فیاضی' قابلیت اور عدالت کے ساتھ حکومت کی' تاریخ ہندوستان میں اُس کی عالیشان مختصر پانچ سالہ حکومت کا زمانہ نہایت درجہ پُر رونق دکھائی دیتا ہے' چونکہ اُس نے مغلوں کو زیر کرکے سلطنت حاصل کی اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا' اس لئے مورخین تیموریہ نے خیرخواہانہ اثرات سے اُسکو غاصب قرار دیکر اُس کا حال شماتت کے ساتھ بیان کیا ہے' بظاہر تخت دہلی پر اُس کا استحقاق اسی مضبوطی کے ساتھ پایا جاتا ہے' جیسا کہ بابر تاتاری کا تھا' کیونکہ دونوں نے سلطنت تلوار کے زور سے حاصل کی تھی۔

مارشمین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے واقعات کی رو سے وہ اگرچہ درست ہے' لیکن استحقاق سلطنت

کے دلائل میں اُس کو سابقہ افغانی حکومت کا اظہار کرتے ہوئے قومی استحقاق پر بھی زور دینا چاہئے تھا، جیساکہ مولف نے اوپر ظاہر کیا ہے، اور یہی دلیل تلوار کے مقابلہ میں قوی اور زبردست دلیل ہے۔

تیسرے اس الزام میں دیگر تیموری مورخین علامہ ابوالفضل کے ہم نوا ہیں کہ سلطان شیر شاہ نے قلعہ رہتاس راجہ ہرکشن سے حاصل کرتے ہیں اس طرح مکر و دغا سے کام لیا کہ بقول خافی خاں اور فرشتہ ہزار، اور بقول علامہ ابوالفضل چھ سو ڈولیوں میں دو۔ دو مسلح جوانوں کو سوار کرا کے قلعہ کے اندر پہونچایا، جنھوں نے محافظین قلعہ کو غفلت میں قتل کر کے قلعہ پر مستقل قبضہ کرلیا، یہ الزام کا خلاصہ ہے، ورنہ روایت میں تفصیلی حاشیہ بندی سے بہت زیادہ کام لیا ہے،

اس میں شک و شبہ نہیں کہ قلعہ رہتاس شیر شاہ کو بغیر جنگ و جدال مفت ہاتھ آیا، جس نے اس کے اہل و عیال اور خزاین کی محافظت میں آہنی قلعہ کا کام دیا، لیکن قابل تنقید یہ امر ہے کہ قلعہ حاصل کرنے کے متعلق مورخین تیموریہ نے جو حکایت لکھی ہے، اس کی کچھ اصلیت بھی ہے یا نہیں۔

محققین مورخ مثل مولف تاریخ شیر شاہی، اور مخازن افغانی ڈولیوں کی روایت کو محض افسانہ قرار دیکر ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں، جہاں سلطان شیر شاہ کے فاتحانہ کارناموں کے ساتھ تیموری مورخین کی اور بہت سی تعریفی مہربانیاں ہیں، ان میں اس افسانہ کا بھی ایک اور اضافہ سمجھنا چاہئے۔

بات صرف اس قدر ہے کہ راجہ ہرکشن کا نائب پنڈت چورامن شیر شاہ کا دوست تھا، اس سے پہلے بھی چورامن کے ذریعہ سے اپنے حقیقی بھائی نظام خاں کے اہل و عیال کے لئے قلعہ رہتاس عارضی طور پر خالی کرا چکا تھا، اس مرتبہ ہمایوں کے دباؤ سے پھر شیر شاہ کو محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی اپنے قدیم دوست نائب چورامن کو آمادہ کیا کہ راجہ سے قلعہ کے لئے سفارش کرے، نامہ و پیام کے بعد چورامن اور راجہ ہرکشن، دونوں نے ایک طرف نقدی کی طمع، اور دوسری طرف شیر شاہی حملہ کے خوف سے اس کی استدعا منظور کرلی، اور قلعہ خالی کر دیا گیا، راجہ کی طرف سے جو قدیم جماعت دربانوں کی تھی ان کو شیر شاہ نے افغانوں کی جنگجویانہ طبائع کے خیال سے ہٹانا چاہا، عذر پر جنگی آدمیوں سے تکرار ہوئی، اور وہ قلعہ سے باہر کر دئے گئے، یہ ایک سپاہیانہ ترکیب تھی جس سے قلعہ رہتاس

بغیر صرف و خونریزی کے شیر شاہ کے ہاتھ آگیا اور اُس نے قلعہ چنار گڈھ کا (جو اُسی زمانہ میں اُس کے قبضہ سے نکل کر ہمایوں کے قبض و اقتدار میں جا چکا تھا) نعم البدل سمجھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جب مالک قلعہ نے خوشی کے ساتھ قلعہ حوالہ کر دیا تھا تو پھر شیر شاہ کو دغا و فریب کی کیا ضرورت تھی، "اکبر نامہ کی عبارت یہ ہے۔

مجملے ازیں سرگذشت آنکہ چوں بجدود رہتاس کہ قلعہ الیست در غایت محکمی و نہایت استحکام رسید، بہ راجہ چینتامن برہمن حاکم قلعہ کسان فرستادہ احسان ہائے قدیم او را بیاد داد، و طرح یکجہتی انداختہ التماس نمود کہ امروز مرا کار افتادہ است میخواہم کہ مروّتی بجائے آری واہل وعیال مرا و ہمرہان مرا در قلعہ جائے دہی مرا رہین احسان خود سازی، بصد زبان نیرنگ سازی وچاپلوسی راجہ سادہ لوح بفریب آن شعبدہ باز قبول کرد، ایں بیگانہ ملک آشنائی شش صد ڈولی سرانجام داد و در ہر ڈولی دو جوان مسلح را در آورد و بہ اطراف ڈولی کنیزاں را گماشت، و بہ ایں حیلہ سپاہ را در آوردہ قلعہ را گرفت و عیال خود و سپاہ را در آں قلعہ گذاشتہ دست فتنہ دراز کرد،

ایک غیر جانبدار اور محسن دوست سے اس طرح قلعہ خالی کرا کے واپس نہ دینا دوستانہ رسم وراہ کے خلاف ضرور ہے، اور اگر امن وامان کا زمانہ ہوتا تو مورخوں کی نگاہ میں اس کا یہ دوستانہ فعل سنگین جرم سمجھا جاتا، لیکن اُس وقت سرزمین ہند میں ہر طرف جنگی بساط بچھی ہوئی تھی، ہمایوں کی شاہی باقاعدہ فوج، خود شیر شاہ اور اُس کے لشکر کے تعاقب میں تھی، اہل وعیال، خزائن، اور فوج کی حفاظت کرنا لازمی امر تھا، کوئی دوسری طاقت یا صوبہ کی حکومت اُس کی معاون نہ تھی، ہر فوجی افسروں کو ایسے سخت دباؤ اور تنگ موقع پر فوری حفاظتی تدبیر کی ضرورت ہوا کرتی ہے، چونکہ ولایت بہار کے کنارے رہتاس کا قلعہ محفوظ مقام تھا، اس لئے حکمت عملی کے ساتھ اُسے حاصل کرنا ناگزیر ہوا، ان تمام مجبوریوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے شیر شاہ کا یہ فعل اس قدر شدید جرم نہیں ہے، جس قدر اُس کے مہربان مورخوں نے دکھایا ہے۔ خفیف اور سنگین فروگذاشتیں خود ہمایوں، اور اکبر

وغیرہ کے عہد حکومت میں بھی اس قدر کثرت سے نظر آتی ہیں کہ اگر کوئی متعصب مورخ ان کا انتخاب کرنا چاہے، تو ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔

چوتھے سلطان شیر شاہ کے روشن کارناموں کے صفحات پر پورنمل حاکم رائسین کے قتل کا سیاہ داغ بھی دکھایا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ جب شیر شاہ نے قطب خاں اپنے سپہ سالار کی سفارش پر اس کا قصور معاف کر کے امن دیدی تھی، تو پھر عہد شکنی اسلامی احکام کے خلاف تھی۔

دازانجا بر سر پورنمل راجہ قلعہ رائسین، وچندیری رفت و بہ عہد و
پیمان نادرست راجہ را از قلعہ برآورد و بہ سعی بعضے از فقیہان گمراہ و سفیہان
تبہ روزگار را مال، داوہ خویش را از ہم گذرانید و ازانجا بہ آگرہ آمد (اکبرنامہ)

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی احکامات کا احترام خود شیر شاہ کے بھی زیر نظر تھا، اور اس نے مستغیث عورتوں سے صاف کہدیا تھا کہ میں پورنمل سے عہد کر چکا ہوں لیکن اُس وقت تک خود شیر شاہ بھی اس نکتہ پر نہیں پہونچا تھا کہ پورنمل کا معاہدہ امن کے ساتھ حاضر ہونا ملکی مصالح کی بنا پر تھا، جس کی معافی کا اُسے حق بھی تھا، لیکن حق العباد کی معافی کا اُسے کوئی شرعی اختیار نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ مستغیث عورتوں کے زور دینے اور اصرار پر جب اس نے مولوی سید رفیع الدین صفوی محدثؒ اور دیگر علماء سے استفتا کیا تو انھوں نے بہ لحاظ نوعیت جرم پورنمل کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا، اس صورت میں ایک شریعت پرست سلطان کو شرعی احکام اور شخصی حقوق کے احترام کے سامنے سر جھکا دینے کے سوا چارہ نہ رہا۔

اگر شرعی احکام کی تعمیل ایک مسلمان بادشاہ کے لئے تیموریہ خاندان کے مورخوں کی عدالت میں جرم ہے، تو سلطان اورنگزیب عالمگیر پر بھی اُن کو یہی فرد جرم ضرور لگانی چاہئے تھی جس نے اپنے دو حقیقی بھائیوں داراشکوہ، و مراد بخش، کو پولیٹکل مصالح کی بنا پر شرعی فتوے کی آڑ میں قتل کرایا، کیا اس کے علاوہ معترضین نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ خود علامہ ابو الفضل کا خون ناحق (جو جہانگیر کی گردن پر ہے) پورنمل کے قتل سے کم سنگین ہے، پھر وہ ان کی عدالتوں میں مجرم

حیثیت سے کیوں پیش نہیں ہوتا ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

خاص تیموریہ مورخین سے قطع نظر، ملا محمد قاسم فرشتہ کو دیکھو کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کے عہد سلطنت ۱۰۱۵ھ میں تاریخ فرشتہ مرتب کی، لیکن جہانگیر کی شہنشاہیت کے اثر سے چہرۂ حقیقت پر نقاب ڈالکر ابوالفضل کے واقعۂ قتل کو ڈاکوؤں کی غارتگری کا نتیجہ بتلاتا ہے، حالانکہ دنیا جانتی ہے اور خود جہانگیر کو بھی اقرار ہے کہ راجہ نرسنگھ دیو بُندیلہ نے جہانگیر کے ایما سے اُسے قتل کیا ہے، فرشتہ کی عبارت اکبر شاہ کے حالات میں یہ ہے:

"در سنہ احدی عشر و الف ۱۰۱۱ھ شیخ ابوالفضل بموجب فرمان طلب متوجہ درگاہ شد و در حوالی نرور جمعے از راجپوتان او رچھہ بطمع مال بر سر راہ آمدند و جنگ کردہ و شیخ ابوالفضل را کشتہ اموالش را بردند"

سب سے زیادہ علامہ ابوالفضل کی اس دریدہ دہنی پر افسوس ہے کہ جن علما نے پورنمل کے قتل کا فتویٰ دیا تھا، اُن کو گمراہ اور تیرہ روزگار کے رکیک الفاظ سے یاد کرتا ہے، حالانکہ خود اس کو علم ہے کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدثؒ بھی فتوے میں شریک تھے، جن کی عظمت کی نسبت ہمایوں کے حالات میں اُس کے یہ الفاظ ہیں،

حضرت جہانبانی (مراد از ہمایوں) یلغار فرمودہ بہ آگرہ نزول اجلال فرمودند، صبح دیگر بہ منزل قدوۃ الاکابر میر رفیع الدین کہ از سادات صفوی بکمال علم و عمل متفرد و بہ اکرام و اجلال سلاطین وقت ممتاز بودند تشریف بردہ مشورت فرمودند (اکبر نامہ)

تہذیب و متانت کے الفاظ کے ساتھ بھی مطلب ادا ہو سکتا تھا، لیکن غیر مہذبانہ ذہنیت کا کیا علاج

پانچواں الزام یہ ہے کہ شیر شاہ اوائل عمر میں چوری اور ڈکیتی کیا کرتا تھا، استغفر اللہ۔

سلطان شیر شاہ کے ابتدائی حالات، سے لیکر ملازمت اور سلسلۂ امارت تک نظر ڈالنے سے کہیں بھی اس الزام کا سراغ نہیں ملتا، بلکہ اُس کے ہر ایک افعال و اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن سے سیر چشم، عالی حوصلہ، اولوالعزم، اور محتاط شخصیت کا انسان تھا۔

اس غیر قابل قیاس اور نا قابل اعتبار الزام کے مصادر بظاہر واقعات مشتاقی اور تاریخ داؤدی کے اوراق ہیں، جن میں لکھا ہے کہ ایک روز خود شیر شاہ نے ملّو خاں (قادر شاہ) والیِ مالوہ سے سارنگ پور اور اوجین کے راستہ میں بیان کیا کہ میں بچپن میں سخت جفاکش تھا، تیر و کمان لیکر پندرہ پندرہ کوس جنگل میں نکل جاتا تھا، ایک قزّاقوں نے مجھے پکڑ لیا، اور میں اُن کے ساتھ رہنے لگا، ایک دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا، اتفاق سے میرے دشمنوں نے کشتی کو گھیر لیا، لڑائی ہوئی، دشمن غالب ہوئے، میں دریا میں کود پڑا، اچھلتا ڈوبتا ہوا، خدا خدا کر کے کنارے لگا، جب سے توبہ کر کے فتوحات پر کمر باندھی ہے۔

محتاط مورخین کی نظر میں یہ حکایت محض بے سروپا افسانہ ہے، جو شیر شاہی عظمت پر داغ لگانے کی غرض سے گھڑی گئی ہے، اور جس کو بعض مورخین نے بلا تنقید و تحقیق اپنی کتابوں میں جگہ دیدی ہے، یہاں تک کہ علامہ ابوالفضل کا سحر طراز قلم اس حکایت پر حاشیہ بندی میں سب سے آگے ہے، وہ لکھتا ہے:

> دریں اثنا پدر او را (یعنے پدر فرید خاں را) اجل در رسید، و اموال بدست او افتاد، و در حدود سہسرام و جنگلستان جونہ کہ پرگنہ ایست از رہتاس، براہزنی، و دزدی و مُقدم کُشی سرِ فتنہ برافراشت و باندک مایۂ بروباہ بازی و نادرستی، خود را از سرہنگان روزگار گذرانید، چنانچہ سلطان بہادر گجراتی بدست سوداگران، امداد خرچ کردہ او را پیش خود طلبیدہ، و آنرا دستمایۂ فساد ساختہ در رفتن بہانہ آورد، و دروست اندازی و تاخت و تاراج مواضع و قصبات اہتمام نمود و در اندک فرصتے بسیارے از آدم رند و اوباش

بروگرد آمدند، دریں میان بہار خاں کہ یکے از امرائے لوحانی بود رخت زندگانی
بربست و کسیکہ سررشتہ امارت را انتظام دہد نبود، شیر خاں با او باشان
خود بایلغار خود را رسانیدہ مال فراواں بدست آورد و ازانجا باز برگشتہ
بجائے خود آمد و برسر انع مرزا کہ نزدیک سرد بود ناگہانی ریخت و بحیلہ پردازی
برو غالب آمد و ازانجا برگشتہ بنارس را تاخت و چوں جمعیت مال و مردم
بہم رسیدہ بود بہ پٹنہ رفتہ آں حدود در تصرف شد، تا یک سال با نصیب شاہ
والی بنگالہ جنگ و جدل مے نمود و مدت مدید محاصرہ گور داشت۔

سیرت نگاری کا اصول یہ ہے کہ کسی مشتبہ اور ناقابل قیاس روایت کو درج کرنے سے پہلے اُس کی تنقید و تحقیق کرلینی چاہئے، اگر کسی مورخ کو کسی مشتبہ روایت کا صحیح ماخذ مل جائے تو اُس کے حوالہ سے اس حکایت کو اپنی تنقیدی رائے کے ساتھ درج کرتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ تعصبانی جذبات سے کسی کو بدنام کرنا مقصود ہو تو یہ دوسری بات ہے، ایسے لوگوں کے خلاف محققین کی عدالتوں سے بھی فیصلہ ہو سکتا ہے ع

ولیکن قلم در کف دشمن ست

ہم اُن ہی تاریخوں میں دیکھتے ہیں کہ ابھی فرید خاں (شیر شاہ) کی رسمی تعلیم مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ اپنے باپ اور سوتیلی ماں کی کج خلقیوں سے کبیدہ خاطر ہو کر جمال خاں سارنگ خانی کے پاس جونپور چلا گیا تھا، جہاں اُس نے درسی کتابیں پڑھیں، جب دو تین سال کے بعد حسن خاں اُس کا باپ جونپور گیا تو اُسے اپنے ہمراہ لایا، اور اپنی جاگیر کا انتظام اُس کے حوالہ کردیا، چند سالوں کے بعد جب حسن خاں نے اپنی منکوحہ کنیز کے اصرار سے سلیمان اور احمد کنیز زادوں کو جاگیر کی حکومت حوالہ کی تو فرید خاں (شیر شاہ) باپ سے ناراض ہو کر دولت خاں لودی صوبہ دار آگرہ کے پاس چلا گیا، اس درمیان میں حسن خاں نے انتقال کیا، دولت خاں لودی کی سفارش سے فرید خاں کو اُس کے باپ کی جاگیر کی سند ملی، اور وہ سند لیکر سہسرام آیا اور پرگنات جاگیر پر

"قابض ہو گیا"

اب فرید خاں کی قسمت چمکتی ہے والیِ بہار کے پاس پہونچ کر شیر خاں کے خطاب سے ممتاز، اور اس کے بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر ہوتا ہے، والیِ بہار کی طرف سے لڑکر والیِ بنگالہ کو شکست دیتا ہے، بابر کے دسترخوان پر پہونچکر کھانے میں شریک ہوتا ہے، وہاں سے نکل کر پھر بہار پہونچتا ہے، عرصہ تک نائب سلطنت کی حیثیت سے ولایت بہار پر حکمرانی کرتا ہے، اس کے بعد فتوحات کا علم ہاتھ میں لیکر نکلتا ہے، رفتہ رفتہ پندرہ[۱۵] سال کے اندر ہمایوں شاہ پر غالب آکر ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بنجاتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ شیر شاہ کو ان تمام نقل وحرکت کے درمیان وہ موقع کب ہاتھ آیا کہ جس میں اس نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ قزاقوں کی رفاقت میں گذارا ہو، پھر لطف یہ ہے کہ اس روایت کی کوئی عینی شہادت بھی نہیں ہے، اس خامی کا احساس کرتے ہوئے شیر شاہ کے مہربان مورخوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ اُسی کی زبانی بیان کی ہوئی داستان کا حوالہ دیکر استہزا کے لئے کتابوں میں درج کردیا، جو درایتاً محض بے بنیاد ہے، اس سلسلہ میں علامہ موصوف نے جس قدر واقعات درج کئے ہیں کسی تاریخ سے اُن کی مطابقت نہیں ہوتی، اصلی حالات کو قصداً چھپایا ہے، اور شیر شاہ کی تشہیر کی غرض سے دوسرا پہلو اختیار کیا ہے۔

چھٹا[۶] الزام یہ ہے کہ ۹۴۶ھ میں بنگال سے واپسی کے وقت ہمایوں کو شیر شاہ نے بیخبری میں دھوکہ سے شکست دی، مشہور حدیث شریف ہے، "اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ" یعنی جنگ دغا و فریب کا نام ہے۔

بڑے بڑے مشہور سپہ سالاروں کے قابل فخر جنگی کارنامے خدیعت کے اصول سے مستثنیٰ نہیں ہیں، خواہ ان کا تعلق تیموریہ افواج سے ہو، خواہ دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہو، البتہ شہری دیہاتی، اور غیر مصافی آبادی کو تختۂ مشق ستم بنانا ہر قوم اور ہر ملک کے جنگی، اور اخلاقی قانون کے خلاف، اور بکمال درجہ مذموم فعل ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ معترضین کے اس الزامی اعتراض کی کیا اصلیت ہے، ہمایوں شاہ شیر شاہ کی جنگی قوت کے استیصال کا ارادہ کرکے جس وقت قلعۂ گور دار الحکومت بنگالہ سے نکلا ہے تو اس کے پاس فوجی طاقت کافی تھی، بکسر کے قریب پہونچکر دریا کے اس پار شیر شاہ کو اس نے آمادۂ جنگ پایا، قبل از جنگ فریقین میں مصالحت کی گفتگو ہوکر صوبۂ بنگالہ کی سند آزادی شیر شاہ کو اس شرط کے ساتھ دی جانی قرار پائی کہ وہ اپنی افواج کو سلطانی لشکر کے سامنے سے ہٹاکر اپنے اصلی مرکز پر واپس لیجائے، گو شیر شاہ نے اس وقت تعمیل کی، اور فوج کو دُور تک پیچھے ہٹالے گیا، لیکن اُسے ہمایوں شاہ کی سابقہ تحریری بد عہدی کی بنا پر اس جدید زبانی معاہدہ کے ایفا کا یقین نہ تھا، اس لئے اپنے حریف عہد شکن کی سنت کی تقلید اس نے بھی کی اور جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا، اُس نے ہمایوں کے لشکر پر شبخون نہیں مارا، جسے فریب کہا جائے یہ امر آخر ہے کہ اُس کی فوج میں بہت سی کمزوریاں تھیں، لشکر میں بیماری تھی، مقام جنگ سیلاب زدہ اور ناہموار تھا، تاہم مقابلہ سے لڑائی ہوئی، اور خوب ہوئی، مغلوں نے افغانوں کے منہ پھیر پھیر دئے، لیکن فتح و شکست ایک کی خوش اقبالی اور دوسرے کی بد اقبالی پر موقوف ہے، اگر ہمایوں نے آخر میں شکست کھائی تو اس میں فریب و دغا کا کونسا عنصر شامل ہے ؎

براوج اعتبار فلک ہر کرا رساند

چوں آفتاب وقت زوال ست پیش ما

اگر دغا سے یہ مراد ہے کہ تکمیل معاہدہ کے بجائے شیر شاہ نے جنگ کی ابتدا کی، تو یہ قصور اس کا ضرور ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ تحریری معاہدہ کے باوجود ہمایوں شاہ نے شیر شاہ کے مفتوحہ علاقہ بنگالہ پر حریصانہ قبضہ کرکے عہد شکنی کی ابتدا کی تھی تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شیر شاہ کو پیماں شکنی کا سبق خود اُس نے پڑھایا تھا، شاگرد نے اگر اُستاد کے بتائے ہوئے داؤں سے کام لیا تو اس میں شاگرد رشید کا کچھ بھی قصور نہیں ہے۔

تیموری مورخوں میں علامہ ابوالفضل، سلطان شیر شاہ سوری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا

جہاں اُس کے فاتحانہ کارناموں کا مجبوراً تذکرہ کرتا ہے، وہاں اُس کی کامیابی کو روباہ بازی مکاری، اور دغا بازی پر مبنی قرار دیتا ہے، اور جب ہمایوں شاہ کی ہزیمت کا مُہر آتا ہے، تو اُس کو کبھی افواج کی خستگی، کہیں سپاہ میں بیماری، کہیں افسران فوج کی نا قابلیت، کہیں بھائیوں میں نا اتفاقی کا سبب بتلاتا ہے۔ غرض اُس کے نزدیک آل تیموریہ کا ہر عیب صواب، اور آل سور کا ہر صواب عیب ہے۔ وہ اپنے آقاؤں کی حمایت میں اس قدر بیخود نظر آتا ہے کہ اس کو مطلق اس بات کا خیال تک نہیں رہتا کہ مابعد کے مورخین جب اُس کے بیانات کو صداقت کی کسوٹی پر کسیں گے، اُس وقت خوشامدانہ ملمع سازی کا کیا جواب ہوگا، لیکن اس کے مقابلہ میں اغیار کی حرف گیریوں کا جواب شیر شاہی کارناموں کی زندہ تصویر سے ہم کو یہ ملتا ہے۔

چو حرفم برآمد درست از قلم
مرا از ہمہ حرف گیراں چہ غم

غرض مورخ موصوف کے ترکش میں نکتہ چینیوں کے جتنے بھی کارآمد تیر تھے ان سب کا ہدف سلطان شیر شاہ سوری بنا، لیکن کارگر ایک بھی نہ ہوا، آخری ایک تیر نمک حرامی کے الزام کا اور باقی رہ گیا تھا، اُسے بھی رِہ کیا، جو باوجود پُر زور کشش کے بھی شیر شاہ تک نہ پہنچ سکا۔
علامہ ابوالفضل کی عبارت اکبرنامہ میں یہ ہے۔

حیف کہ در حرام نمکی و کافر نعمتی زندگانی خود را بسر دو کردند اگر ایں دو کس (مراد از شیر شاہ و سلیم شاہ) از ملازمان عتبۂ علیہ اقبال حضرت شاہنشاہی بودہ خدمت بارگاہ معلٰی بہ پدر مفوض میشد و اہتمام سرحدہا بہ پسر او نامزد بود ہر آئینہ مشمول مراحم خسروانی گشتہ بوسیلۂ خدمات شائستہ زندگانی کہ بزرگان دانش آنرا حیات شمارند یافتندے آنچناں کارکنان را اینچنیں کارفرما بایستے و ریاست عامہ کو بچنیں حرام نمکی بدست آید دانایان کارشناس زیستن چناں را بمراتب کمتر از مردن دانستہ جہاں جہاں نفریں نثار مے نمایند،

سلطان شیر شاہ خود اور اُس کا باپ حسن خاں، دادا ابراہیم خاں سو تینوں سلاطین لودی کے نمک خوار تھے، اگر ان کے مقابلہ میں شیر شاہ بغاوت کا مرتکب ہوتا تو دنیا اُسے نمک حرام کہنے میں حق بجانب ہوتی، ہمایوں یا بابر نے اُسے کون سی جاگیر یا منصب دیا تھا جس کے استدلال پر اُسے نمک حرام کہا جاتا ہے۔

تاریخی صفحات شاہد ہیں کہ بابر نے بلا کسی استحقاق قومی اور ملکی ساڑھے تین سو سالہ (۳۵۰) افغانی سلطنت کا ہندوستان سے خاتمہ کیا، کیا مورخ موصوف کی طرح ہم کو کوئی حق ہے کہ شیر شاہ یا اُس کے پیشرو سلاطین ہند کی حمایت میں بابر پر طرح طرح کے الزامات لگا کر اُسے بدنام کریں اگر ہم حقیقی شاہراہ سیرت چھوڑ کر ایسا کرنا چاہیں تو ظاہر ہے کہ ہمارے لئے اعتراضات کا وسیع میدان سامنے ہے۔

شیر شاہ نے عام کشور ستانی کے جذبات سے قطع نظر، اگر قومی سلطنت کے حصول کے خیال سے تلوار ہاتھ میں لی، اور ہمایوں پر غالب آکر اُسے ہندوستان سے باہر کرنے پر مجبور ہوا تو بیشک یہ اُس کا قومی استحقاق تھا، جو تحسین و آفریں کے لائق ہے۔

عہد بابری کی پنج سالہ مدت، ایسی وسیع مدت نہیں ہے جس کے لئے علامہ ابوالفضل کو شیر شاہ کے عیوب کی اتنی طویل فہرست پیش کرنے کی ضرورت پڑی، افسوس، ؎

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

لیکن شیر شاہ وہ دانا دشمن، اور اُس کی قابلیت کو اغیار سے بھی خراج تحسین حاصل کرنے میں وہ قدرت ہے کہ تمام مفصلہ صدر اعتراضات کے باوجود ابوالفضل کو بھی آخر میں تسلیم کرنا پڑا کہ "شیر شاہ، اور اُس کا بیٹا سلیم شاہ دونوں اصول جہانبانی سے واقف، اور نظام سلطنت پر قادر تھے، ؏

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اکبر نامہ کی عبارت اس بارہ میں یہ ہے:

الحق ایں پدر و پسر در انتظام اسباب روزگار سلیقہ موافق داشتند'

بات یہ ہے کہ مورخین تیموریہ پر شخصی حکومتوں کا اثر غالب رہا' اس لئے ممدوحین کی موافقت اور اُن کے دشمنوں کی مخالفت میں ان کے لئے قلم اُٹھانے کے سوا چارہ نہ تھا' اس حالت میں ایک مخالف مورخ کا شیرشاہ کی نسبت اس قدر مختصر فقرہ لکھ دینا بھی حقیقت میں صداقت کی بہت بڑی فتح ہے' لیکن تاریخ اور سیرت نگاری کے جو لوگ مدعی ہیں' ان کا کسی حکومت کے اثر یا اپنی ذاتی عداوت و نفرت کی بنا پر ہموار راستہ چھوڑ کر' ناہموار شاہراہ اختیار کرنا اصولاً بڑی غلطی ہے' بہتر یہ ہوتا کہ اگر ایسے لوگوں کو آزادی کے ساتھ فرائض ادا کرنے میں خطرہ تھا تو گلزار صحافت میں قدم ہی نہ رکھتے' اور جب قدم رکھ دیا تھا تو پھر خوشنما پھولوں کے چننے میں کانٹوں کی مزاحمت کی پروا نہ کرنی چاہئے تھی' مصوّر وہی کامل الفن اور کامیاب مصوّر ہے جس کا قلم کسی تصویر کو اس کی اصلی حالت کے ساتھ اس طرح کھینچنے پر قادر ہو کہ اس کا اچھا اور بُرا ہر ایک خط و خال صفحۂ قرطاس پر نمایاں ہو جائے' سیرت نگاری' اور واقعہ نگاری بھی درحقیقت مصوّری کا دوسرا نام ہے' فرق اس قدر ہے کہ مصوّر صرف مادّی اشیاء کی تصویر کھینچ سکتا ہے' اور سیرت نگار' انسانی عادات' وخصائل' اور اس کے زندگی کے ہر جزئی حالات و واقعات صحت کے ساتھ کاغذی صفحات پر اس طرح نمایاں کرتا ہے کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

مورخین تیموریہ نے شیرشاہ' کے صحیح حالات' اور اس کے کارناموں کی اصلی تصویر پر پردہ ڈالنے کی بہت کوشش کی ہے' اور جس بدنما پیرایہ میں اس کی تصویر پیش کی ہے اس سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ مابعد کے بعض فارسی مورخین' اور آجکل کے بعض اردو مورخین کو شیرشاہ' کی نسبت غلط رائے قائم کرنے کا موقع ہاتھ آگیا' لیکن آفریں ہے اُن منصف مزاج مورخین پر کہ جو اُن شخصی حکومتوں کے عہد میں بھی ضمیر فروشی کے مرتکب نہیں ہوئے' اور اپنی تاریخ نگاری کے اہم فرائض کا احساس کرتے ہوئے سلطان شیرشاہ کا اصلی مرقع دنیا کے سامنے ایسے واضح خط

میں پیش کر دیا کہ جس کو دیکھکر حال کے اُردو مورخین کو اُس کی نقل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔

اکبر، اگر اپنے بہترین دل و دماغ کے وزراء، ندماء، اور افسران فوج کی اعانت، یا اپنی ذاتی قابلیت کی بدولت پچاس سال کامیاب سلطنت کرنے کے بعد اکبر اعظم، کے لقب سے مخاطب ہو سکتا ہے، تو شیر شاہ بھی اپنی ذاتی قابلیت، جفاکشی، ذہانت، فراست، فاتحانہ اولوالعزمی، آئین سازی، نظم آرائی، اور صرف اپنی تنہا ارادی قوت کے سہارے پر ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتے ہوئے، شہنشاہی کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنے میں شیر شاہ، اعظم کہے جانے کا مستحق ہے، غور سے دیکھنے میں ایک امتیازی فرق دونوں میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اکبر اضافی جوہروں کا مالک تھا، اور شیر شاہ ذاتی جواہر کا خود معدن تھا، اس لئے بھی شیر شاہ کا استحقاق اس باب میں زیادہ ہے کہ اُس کے نام کے ساتھ "اعظم" کا لقب اضافہ کیا جائے۔

امّا بود وصفِ اضافی ہنر ذات
ایں فتوئے ہمت بود ارباب ہمم را

بہر حال شیر شاہ کے عادلانہ کارنامے، شجاعت کے افسانے، تنظیمی اوراق، آئینی اسباق، سیاسی احکام، رفاہی نظام، کو اگر کوئی شخص جوشِ تعصب اور ہوائے مخالفت میں مٹانا چاہے تو وہ صداقتی استحکام کی بنا پر صفحۂ تاریخ سے مٹ نہیں سکتے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

ضمیمہ کتاب صولت شیر شاہی

آل سور

(۱) اسلام شاہ۔ سلطان شیر شاہ کے تین بیٹے تھے، بڑا عبد الرشید خاں عرف قطب خاں منجھلا عادل خاں، چھوٹا عبد الجلیل عرف جلال خاں، قطب خاں ۹۴۷ھ میں جبکہ وہ اپنے باپ کے حکم سے ہمایونی لشکر کو روکنے کی غرض سے مالوہ کی طرف آیا ہوا تھا مقابلہ میں مارا گیا آخر الذکر دو بیٹے شیر شاہ کی وفات پر زندہ رہے، سلطان شیر شاہ ولیعہد سلطنت کے باب میں عرصہ تک غور کرتا رہا، وہ دونوں بیٹوں میں کچھ کمی پاتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ عادل خاں عیش و عشرت کا بندہ ہے، سلطنت کا بار عظیم نہیں اٹھا سکتا، جلال خاں سخت گیر اور متکبر ہے، افغانی سرداروں کی اتحادی زنجیر کو توڑ دے گا، شیر شاہ کے الفاظ یہ ہیں:

من دو پسر دارم ہیچ کدام شائستہ سلطنت نیست چہ عادل خاں چنداں
بلہو و لعب و عیش و عشرت مشغول است و بکار سرکار خود مقید نیست، و
سلطنت خود امر عظیم است جلال خاں بغایت کینہ ور و مغضوب است
ایں خصائل نا مرضیہ منافی امور سلطنت است تا حق تعالیٰ چہ خواستہ باشد۔

ولیعہد کے متعلق البتہ محمود خاں ابن عادل خاں (اپنے پوتے) کی نسبت خیال تھا، جو ایک نوجوان اور ذی ہوش شاہزادہ تھا، ابھی کوئی فیصلہ کرنے نہیں پایا تھا کہ قلعہ کالنجر کے محاصرہ کے زمانہ میں اک دم اس نے وفات پائی، فوری انتخاب امرا کے لئے لازمی تھا، اس وقت عادل خاں رنتھنبور میں مقیم تھا، اور جلال خاں ریواں ضلع بھٹہ میں کالنجر سے قریب تھا، گو بڑے بیٹے ہونے کی حیثیت سے عادل خاں ہی ولیعہد مانا جاتا تھا، مگر امرائے شیر شاہی کی

رائے یہ ہوئی کہ جلال خاں قریب ہے، اور عادل خاں کے انتظار میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اس لئے جلال خاں کو فوراً طلب کر کے تاج شاہی پیش کیا جائے، اس رائے کی عام طور سے تائید ہوئی۔

جلال خاں بلا لیا گیا، اور وہ اسلام شاہ کے خطاب سے ۱۵۔ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۵۴۵ء کو قلعہ کالنجر کے نیچے تخت نشین ہوا، اسی کو سلیم شاہ بھی کہتے ہیں۔

پہلا کام اس نے یہ کیا کہ راجہ کالنجر کو جو ستر آدمیوں کے ساتھ نظر بند تھا، قتل کرا دیا، اس کے بعد اپنی تاجپوشی کی خوشی میں سپاہ کو دو دو ماہ کی تنخواہ انعام میں دی، شیر شاہی قوانین میں اکثر ترمیمیں کیں، بعض کو بحال اور بعض کو قطعی منسوخ کیا، قانون داغ اور جاگیر کے قواعد بھی یک قلم منسوخ کر کے نقد تنخواہیں مقرر کیں، اکثر جاگیرات کو خالصۂ شاہی بنایا، اپنے ولیعہدی کے زمانہ کے سپاہ کو ترقیاں دیکر ان کو امیر کیا، قدیم امراء کو ان کا ماتحت کیا، افغانی امراء اس عمل سے مکدر ہوئے، اور اسلام شاہ ان سے بدظن ہوا، امرا کے خیالات میں تغیر دیکھکر اسلام شاہ آگرہ کو روانہ ہوا، عادل خاں کے وجود کو قیام اور استحکام سلطنت کے منافی سمجھ کر دل میں اس کی نظر بندی اور قتل کے فکر میں ہوا، لیکن بظاہر اظہار اطاعت و محبت کے خیال سے خط لکھکر بلایا اور لکھا کہ میں نے امرا کے ایما سے عارضی طور پر تخت شاہی قبول کر لیا ہے، آپ آئیے، تخت شاہی آپ کا حق ہے، عادل خاں نے جواب میں لکھا کہ اگر عیسےٰ خاں نیازی، خواص خاں، جلال خاں جلوانی اور قطب خاں نائب آپ کی طرف سے میرے پاس آکر مجھے مطمئن کر دیں تو میں آسکتا ہوں اسلام شاہ نے چاروں امراء کو بھائی کے پاس بھیجدیا، جنھوں نے اُسے تسلی دیکر جان کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

عادل شاہ چند ہزار آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو کر فتحپور سیکری پہنچا، اسلام شاہ نے استقبال کیا، دونوں بھائی شاہانہ کر و فر کے ساتھ آگرہ پہنچے، چونکہ اسلام شاہ کی نیت میں دغا تھی، اس لئے محافظین قلعہ کو خفیہ حکم پہنچا دیا تھا کہ دو تین آدمیوں کے سوا عادل خاں کے ہمراہ اور کوئی قلعہ کے

اندر داخل نہ ہونے پائے محافظین کی طرف سے مزاحمت کی گئی، لیکن رفیقان عادل خاں سمجھ گئے اور مزاحمت کی پروا نہ کرکے مسلح قلعہ کے اندر داخل ہوگئے، اسلام شاہ بھی سمجھ گیا کہ راز افشا ہوگیا، عادل خاں کی بدگمانی دور کرنے کی غرض سے آپ تخت سے نیچے اترا اور بھائی کو تخت پر بٹھلا کر خود فرمانبردارانہ تخت کے سامنے کھڑا ہوگیا، عادل خاں اگرچہ عشرت پسند تھا، تاہم دنیا کے نشیب و فراز سے بھی خوب واقف تھا، فوراً تخت سے نیچے آیا اور اسلام شاہ کو اپنے ہاتھ سے سریر شاہی پر بٹھلا کر مبارکباد دی، اس کی تقلید تمام امرائے حاضرین دربار نے کی، عہد و پیمان کے مطابق بیانہ معہ توابع جاگیر میں لیکر عادل خاں رخصت ہوگیا۔

تین مہینے کے بعد اسلام شاہ کا دلی فریب پھر اس طرح سے ظاہر ہوا کہ اس نے اپنے ایک خاص رازدار شاہ غازی کو سونے کی زنجیر دیکر بیانہ روانہ کیا، اور ہدایت کی کہ عادل خاں کو مسلسل کرکے میرے پاس لائے۔

عادل خاں کو اطلاع ہوگئی، وہ خواص خاں کے پاس میوات پہنچا، اور اس سے فریاد کی، خواص خاں چونکہ فریقین کے معاہدہ ان میں شریک تھا، اس لئے اسلام شاہ کی عہد شکنی کا اُسے سخت ملال ہوا، اور عادل خاں کی دادخواہانہ حاضری پر اُن کا دل بھر آیا اعانت کا پختہ وعدہ کرکے بیانہ روانہ ہوا، اور شاہ غازی محلی کو سامنے بلوا کر دریافت کیا کہ کس ارادہ سے آنا ہوا، اس نے شاہی حکم صاف صاف بیان کر دیا، خواص خاں نے وہی طلائی زنجیر اُس کے پاؤں میں ڈلوا کر مقید کر دیا، اور علانیہ علَمِ مخالفت بلند کرکے مقتدر امرائے شیر شاہی کو اپنی طرف مائل کیا، عادل خاں اور عیسے خاں نیازی کی معیت میں ایک جرار سپاہ لیکر آگرہ کی سمت اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ سلیم شاہ کو مغلوب کرکے عادل خاں کو تخت نشین کرے، خواص خاں نے پہلے سے خفیہ نامہ و پیام کرکے قطب خاں نائب اور جلال خاں جلوانی کو (جو سلیم شاہ کے پاس تھے) اپنی اعانت پر آمادہ کر لیا تھا، عیسے خاں نیازی نے خواص خاں کو اطلاع دی تھی کہ ۲۷۔ رمضان المبارک کو آدھی رات گزرے آگرہ پہنچ جانا چاہئے، ہم لوگ اپنی سپاہ کے ساتھ

وقت مقررہ پر موجود ملیں گے، خواص خاں فتحپور سیکری پہنچا تو حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو مقدم سمجھ کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، شب قدر تھی، اور اُس کو عبادت کا شوق بھی زیادہ تھا، رات کا بڑا حصہ اُس نے شیخ کے ساتھ نوافل ادا کرنے میں گزار دیا، دوسرے روز ۲۸۔ رمضان المبارک کو سپہر دن چڑھے آگرہ اُس وقت پہنچا جبکہ عیسےٰ خاں نیازی وغیرہ سرداران افغانی اپنی فوج لیکر آگرہ کے اندر داخل ہو چکے تھے۔

اسلام شاہ بے خبر تھا، صبح اُس نے خواص خاں کی آمد کی خبر سُنی، گھبرا اٹھا اور اُس پریشانی اور عدم تیاری جنگ کی حالت میں آگرہ چھوڑ کر چنار گڈھ یا رہتاس جانے کا ارادہ کیا اور عیسےٰ خاں وغیرہ سے کہا کہ اگر عادل خاں کے معاملہ میں میں نے عہد شکنی کی تھی تو تم لوگوں نے مجھے آگاہ کیوں نہیں کیا، عیسےٰ خاں حجاب صدر اعظم اور دوسرے ہوا خواہ سرداروں نے سمجھایا کہ اس وقت دار الخلافت کو چھوڑنا مصلحت کے منافی ہے، شاہی فوج کچھ کم نہیں ہے، آگرہ سے نکل کر مقابلہ کرنا اس سے بہتر ہے کہ دار السلطنت کو خالی کر کے دشمن کے حوالہ کیا جائے، سلیم شاہ افسران فوج کی مستعدی دیکھ کر لڑائی پر آمادہ ہو گیا، آگرہ سے باہر حریفوں کا مقابلہ ہوا، اگرچہ خواص خاں کی فوج شاہی سپاہ کے مقابلہ میں کم تھی، لیکن اُس نے اس بے جگری و پامردی سے اپنی سپاہ کو لڑایا کہ سلیم شاہ کی فوج پر ہزیمت کے آثار پیدا ہو گئے، عین آثار فتح کی حالت میں عادل خاں اپنے حریف مقابل سے مغلوب ہو کر میدان جنگ سے ایسا بھاگا کہ پھر اُس کا سراغ نہ ملا کہ کہاں گیا اور کس سرزمین میں پیوند خاک ہوا، عادل خاں کی اس کمزوری اور قبل از وقت فراری سے باقیماندہ سپاہ کے بھی پاؤں اُکھڑ گئے، خواص خاں کی روک تھام نے اُس وقت کچھ کام نہ دیا، مجبور ہو کر خواص خاں اور عیسےٰ خاں نیازی بیانہ سے اپنے اپنے قبائل اور ضروری ساز و سامان کو لیتے ہوئے میوات، اور وہاں سے کوہ کمایوں کے راجاؤں کی پناہ میں چلے گئے،

خواص خاں کے اثر او رمراتب سے سلیم شاہ خوب واقف تھا گو کالنجر کے قلعہ کے نیچے اُس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہو چکی تھی، لیکن سلیم شاہ کہا کرتا تھا کہ جب تک مسند عالی خواص خاں خود آکر میری تاجپوشی کی تصدیق نہ کرے اُس وقت تک میں مستقل بادشاہ کہلانے کا مستحق نہیں، یہ بھی ایک حُسن اتفاق ہے کہ شیر شاہ کی وفات کی خبر سُنکر مارواڑ سے خواص خاں روانہ ہوا، اور قلعہ کالنجر سے سلیم شاہ نے نہضت کی، دونوں تقریباً ایک ہی دن آگرہ پہنچے سلیم شاہ نے خواص خاں کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا، اور دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے، خواص خاں نے مسرت آمیز لب ولہجہ کے ساتھ سلیم شاہ کو تخت شاہی کی مبارکباد دیکر فرمانبرداری کا اقرار کیا۔

سلیم شاہ نے اسُی وقت اعلان کیا کہ مجھکو امیر الامرا نے جانشین شیر شاہ تسلیم کر لیا ہے اس لئے میں آج سے اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہوں، پھر اسُی جلسہ میں تین خلعت امیرالامرا کو عطا کر کے آگرہ کے اندر داخل ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیم خاں دل سے خواص خاں کا قدردان، اور اس کی جرأت وبہادری، اور سلطنت کی خیر سگالی کا معترف تھا، اور یہ اعتراف سُنی ہوئی خبروں کی بناء پر نہ تھا، بلکہ وہ مشاہدات تھے، جن کو خود سلیم شاہ، سلطان شیر شاہ کی زندگی میں بیشتر خواص خاں کے دوش بدوش رہکر ہر ایک رزم اور ہر ایک بزم میں دیکھ چکا تھا، لیکن اب سلیم شاہ کی علانیہ عہد شکنی کی بناء پر عادل خاں کی حمایت کے سلسلہ میں خواص خاں سے زیادہ اسُ کی نگاہ میں نہ کوئی گنہگار تھا، نہ اسُ سے بڑھ کر دوسرا قوی تر دشمن تھا، محبت کی جگہ عداوت نے لی، اور اس عداوت کی آگ سلیم شاہ کے دل میں اس تیزی کے ساتھ بھڑکی کہ وہ امرائے شیر شاہی سے عموماً خواص خاں اور عیسےٰ خاں نیازی سے خصوصاً بدگمان ہوکر اُن سب کے استیصال کی فکر میں ہوا، آگرہ کی جنگ میں فتحیاب ہونے کے بعد سلیم شاہ نے شاہ محمد فرملی، بہار خاں لوحانی، تاتار خاں، اور عیسےٰ خاں وغیرہ معتمد سرداروں

کی قیادت میں ۳۰ ہزار فوج، خواص خاں اور عیسیٰ خاں نیازی کی گرفتاری و پائمالی کے لئے روانہ کی، فیروز پور جھرکہ پر سلیم شاہی لشکر سے خواص خاں کا مقابلہ ہوا، خواص خاں نے اپنی مختصر فوج سے ایسا سخت حملہ کیا کہ شاہی فوج ہزیمت یاب ہو کر آگرہ کی طرف لوٹ گئی، اور خواص خاں سرہند کی طرف چلا گیا۔

اعظم ہمایوں ہیبت خاں نیازی (جس کو شیر شاہ نے پنجاب کی حکومت پر ممتاز کیا تھا) اب تک اُسی جگہ تھا، اس طرف خواص خاں نے تمام حالات سے اُس کو آگاہ کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا، اُس طرف سے سلیم شاہ نے اعظم ہمایوں کو لکھا کہ خواص خاں اور عیسیٰ خاں سرہند میں مقیم ہیں، جس طرح بھی ممکن ہو اُن کو گرفتار یا قتل کر کے اطلاع دو، شاہی فوج تمہاری امداد کے لئے روانہ کی جاتی ہے، اعظم ہمایوں شاہی حکم کی تعمیل میں اپنی سپاہ لیکر سرہند کی طرف روانہ ہوا، اور خواص خاں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ میرا دل آپ کی حمایت میں ہے، لیکن اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ سرہند کا علاقہ چھوڑ کر کوہ ہمالہ کی طرف چلے جائیں، اس درمیان میں ممکن ہے کہ سلیم شاہ کا دل آپ کی طرف سے صاف ہو جائے، جس کے لئے میں بھی مناسب وقت پر کوشش کرونگا۔

خواص خاں اور عیسیٰ خاں نیازی نے اس پیغام پر تبادلہ خیالات کیا، اور اپنی فوجی قوت کی کمی کا احساس کرتے ہوئے سرہند کو خالی کر دیا، یہاں سے جا کر دونوں بھائیوں کے راجہ کے مہمان ہوئے، جس نے ان کی مدد معاش کے لئے اپنے علاقہ ارضی کا کچھ حصہ عارضی طور پر حوالہ کر دیا۔

اعظم ہمایوں نے خواص خاں اور عیسیٰ خاں نیازی کی سرہند سے نقل سکونت کی سلیم شاہ کو اطلاع دی اور خود دارالحکومت لاہور کو چلا گیا، سلیم شاہ نے قطب خاں نائب کو کچھ فوج دیکر ہدایت کی کہ سرہند کی سرحد پر مقیم رہے اور اس بات کی حفاظت رکھے کہ خواص خاں شاہی علاقہ پر تسلط نہ کرنے پائے۔

اس فوری اور ضروری انتظام کے بعد سلیم شاہ قلعۂ رہتاس سے خزانہ منتقل کرتے ہوئے آگرہ آگیا، اور باقیماندہ شیر شاہی امرا کی گوشمالی کی طرف متوجہ ہوا، جلال خاں جلوانی اور اُس کے بھائی خداداد خاں کو گوڑھ جہاں آباد میں قتل کرایا، اس واقعہ سے تمام امرا میں پریشانی کی ایک لہر دوڑ گئی، قطب خاں نائب دامن کوہ کماؤں سے، پرمزید گورا اور بہار خاں لوحانی اپنی اپنی جگہوں سے اعظم ہمایوں کی حمایت میں لاہور پہنچے، سلیم شاہ نے اعظم ہمایوں کو لکھا کہ تمام باغی امرا کو بازنجیر قلعہ گوالیار بھیجدو، اعظم ہمایوں نے ۱۲ سرداروں کو جو اُس کی پناہ میں تھے گرفتار کرکے قلعہ گوالیار روانہ کردیا، سلیم شاہ نے اپنی کینہ وری اور شقاوت قلبی کا اظہار کیا کہ اُن تمام افغانی امرا کو مع محمود خاں ابن شاہزادہ عادل خاں بارود سے اُڑوادیا۔

اب اعظم ہمایوں بھی خواب غفلت سے چونکا، اور اُسے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کی فکر دامنگیر ہوئی، سعید خاں اپنے بھائی کو (جو سلیم شاہ کے پاس تھا) خفیہ پیغام بھیجکر بلوایا، خواص خاں اور عیسےٰ خاں بھی مطلع ہونے پر ہمایوں سے مل کر لاہور پہنچے، اعظم ہمایوں ہیبت خاں نے اپنا پہلو زبردست پاکر خودمختاری کا اعلان کردیا،

سلیم شاہ کو خبر ہوئی تو وہ آگرہ سے دہلی آیا، اور دہلی سے افواج کو لئے ہوئے اعظم ہمایوں کے مقابلہ کے لئے پنجاب کی طرف بڑھا، اِدھر سے اعظم ہمایوں نے خواص خاں وغیرہ کی معیت میں دہلی کی طرف نہضت کی، انبالہ کے قریب فریقین میں دن بھر لڑائی ہوتی رہی، رات کو جنگی جوش وخروش کم ہوا تو اعظم ہمایوں، امیرالامرا خواص خاں، عیسےٰ خاں نیازی، اور سعید خاں میں باہم مشورہ ہوا کہ اگر خدا نے صبح ہمیں کامیاب کیا تو بادشاہی تخت وتاج کس کو پیش کیا جائے، امیرالامرا خواص خاں کو اگرچہ عہد شکنی کی بنا پر سلیم شاہ سے گونہ رنج وملال تھا، تاہم وہ اور اُس کا باپ ملک سکھا حسن خاں اور شیر شاہ کے پروردہ تھے، شیر شاہ ہی نے اُس کو مسند عالی بناکر سب سے

بڑا جاگیردار اور امیر کیا تھا، اس کی نگاہ ہرگز اسکی آرزومند نہ تھی کہ آل سور کے سوا کسی غیر قبیلہ کو ہندوستان کے تخت پر جلوہ گر دیکھے، اس لئے اس نے جلسہ شوریٰ میں نہایت صفائی کے ساتھ رائے دی کہ عادل خاں کو تلاش کرکے اسی کو تاج شاہی پیش کیا جائے جس کا وہ ہر طرح مستحق ہے "اعظم ہمایوں نے کہا کہ میدان جنگ میں ہم تلواریں چلائیں اور عادل خاں تخت کا مستحق ہو یہ کیا انصاف ہے" خواص خاں اعظم ہمایوں کی بدنیتی سے مطلع ہو کر اپنے لشکر میں چلا آیا' عیسےٰ خاں نیازی نے بھی اس باب میں اپنے ہم قوم قبیلہ کے سرداروں سے اختلاف کرتے ہوئے خواص خاں کا ساتھ دیا، خواص خاں سلیم شاہ کی اطاعت پر آمادہ تھا' لیکن اس کا دل صاف نہ ہوا' اور اپنے شاہی غرور و فطری جہالت سے' ایک ایسے گراں بہا جوہر کو کھو دیا جو ہندوستانی سلطنت میں سب سے زیادہ قیمتی تھا۔

دوسرے روز صبح کو جب لڑائی کا آغاز ہوا تو خواص خاں نے اعظم ہمایوں کو پیغام بھیجا کہ تخت نشینی کے بارہ میں ہم دونوں کی رایوں میں اختلاف ہے' اس لئے میں سلیم شاہ کے مقابلہ میں تلوار چلانا پسند نہیں کرتا' اگر سلیم شاہ پر مغلوبیت کے آثار پیدا ہوئے تو اس وقت میں سلیم شاہ کی اعانت کرونگا' اس اطلاع کے بعد خواص خاں اپنی سپاہ لیکر نیازیوں سے الگ ہو گیا۔

خواص خاں کی عدم شرکت سے نیازیوں کے حوصلے پست ہو گئے' اور سلیم شاہ خواص خاں کی کنارہ کشی سے پُر حوصلہ ہوا' نیازیوں نے اپنے پچاس ہزار لشکر سے سلیم شاہ کا مقابلہ کیا' لیکن نتیجہ میں ان کو شکست فاش ہوئی' لشکر کا بڑا حصہ وہیں کھیت رہا' باقیماندہ فوج اپنے سردار اعظم ہمایوں کے ہمراہ فرار ہو گئی۔

خواص خاں اور عیسےٰ خاں بھی جنگی تماشا دیکھکر کوہ کمایوں کی طرف نکل گئے' بعد میں عیسےٰ خاں نیازی اپنی قوم کی بربادی سے متاثر ہو کر اعظم ہمایوں سے مل گیا' اب خواص خاں

پانسو جوانوں کے ساتھ تنہا رہ گیا۔

سلیم شاہ اس فتح سے اور زیادہ مغرور ہو کر مفروروں کے استیصال میں سرگرم ہوا، خواجہ اویس شیروانی کو اعظم ہمایوں، اور حسین جلوانی کو خواص خاں کی سرکوبی اور گرفتاری کے لئے مامور کیا، اعظم ہمایوں کشمیر کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا خواص خاں نے موقع پا کر لاہور پر حملہ کیا، اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔

رائے حسین جلوانی کو خبر ہوئی تو اس نے اپنی ۳۰ ہزار فوج سے لاہور کی طرف رخ کیا، خواص خاں صرف اپنی ذاتی شجاعت کے بھروسہ پر اپنے پانسو آدمیوں کے ساتھ ۳۰ ہزار فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا، خوب لڑا، کئی بار حریف کے قلب فوج میں تنہا داخل ہوا، اور صفوں کو چیرتا ہوا نکل گیا، کسی کی جرأت نہ تھی کہ اس پر وار کرتا یا گرفتار کرتا، ہزاروں کو خود اس نے اور اس کی فوج نے تلوار کے گھاٹ اُتارا، بالآخر ران پر زخم آنے سے گھوڑے سے نیچے گرا، عین وقت پر اس کے جان نثاروں نے مدد کی اور چارپائی پر ڈال کر اسے میدان جنگ سے صاف نکال لے گئے، حریف کی فوج منہ تکتی ہوئی رہ گئی۔

اب سلیم شاہ نے ہمایوں کے راجہ پر اثر ڈالا، اور وہ خواص خاں کی گرفتاری کی فکر میں ہوا، خواص خاں کو معلوم ہوا تو وہ دامن کوہ کے پٹھانوں میں چلا آیا، جنھوں نے اس شیر بیشۂ شجاعت کو اپنا سردار تسلیم کیا، سلیم شاہ کا جوش استیصال کسی طرح کم نہ ہوا، تاج خاں کرانی کو سنبھل کی طرف مامور کیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح گرفتار یا قتل کرے، تاج خاں نے ۹۵۹ھ میں سنبھل پہنچکر اور خواص خاں سے حلفیہ عہد و پیمان کر کے اُسے بلایا اور دغا سے قتل کر کے اس کا سر سلیم شاہ کے پاس بھیجدیا، سلیم شاہ نے گو اپنے زعم میں ایک ایسے طاقتور رکن سلطنت شیر شاہی کو (جس کے وجود سے اُسے ہر وقت خطرہ تھا) خاک و خون میں ملا کر اچھا کام کیا، لیکن ہندوستان کے چپہ چپہ میں اس کا

یہ فعل اچھی نظروں سے نہیں دیکھا گیا' خواص خاں کی جامع الصفات وہ ذات تھی اور اس کے کارنامے عوام میں اس قدر وقیع تھے کہ اس کا ہر جگہ ماتم ہوا' اور سلیم شاہ جو پہلے ہی سے عوام میں نامقبول تھا' اب بالکل نظروں سے گر گیا' خواص خاں یا دوسرے متقدر امرائے شیر شاہی کو فنا کرنے سے اس کو بھی آرام نصیب نہیں ہوا' اگلے سال ۹۶۱ھ میں وہ بھی راہیِ ملک عدم ہوا۔

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں امان نداد کہ شب را سحر کند

سلیم شاہ کی جسمانی طاقت زبردست تھی' شجاع و دلیر تھا' لیکن سخت گیر' کینہ پرور' اور نخوت پسند تھا' گو وہ امراء کا دشمن ضرور تھا لیکن رعایا کا بہی خواہ تھا' باپ کی طرح رفاہی کاموں میں سرگرم رہا' سلطان شیر شاہ نے دو دو کوس کے فاصلہ سے جس قدر سرائیں بنوائی تھیں ان کے درمیان ایک ایک سرائے کا اور اضافہ کیا' اور اُن میں مسافرین کے لئے آرام و آسایش کا اسی طرح انتظام کیا جس طرح اسکے باپ نے کیا تھا خیرات خانہ کا ہر سرائے میں مزید اضافہ کیا' گو خود جاہل تھا مگر علما و فضلاء کا قدر دان تھا' دہلی میں حصار سلیم گڈھ اسی کی تعمیری یادگار ہے۔

نخوت پسندی کا یہ حال تھا کہ جب مرزا کامراں اپنے بھائی ہمایوں سے لڑ کر کابل سے فرار ہو کر ہندوستان آیا اور سلیم شاہ کا مہمان ہوا تو پہلی ملاقات میں نقیب شاہی نے اسکی گردن پکڑ کر اور شاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ بادشاہا نظر' مقدم زادہ کابل دعا میکند' مرزا کامراں اس اپنی توہین سے عرق عرق ہو گیا' اور موقع پاکر ایک دن بھیس بدل کر اقتدار سلیم شاہی سے نکل گیا'

پنج ہزاری سے لیکر بیس ہزاری مناصب تک کے امراء کو جمعہ کے دن ایک مقام پر جمع کرتا' اور ایک خیمہ میں اپنا تیر و کمان اور نعلین رکھوا کر حکم دیتا کہ ان کی طرف تعظیماً جھکیں' مجبوراً تعمیل کیجاتی۔

فیروز خاں اس کا ایک کم سن بچہ تھا، مبارز خاں اپنے سالے کے اطوار سے سمجھے ہوئے تھا کہ میرے بعد ایک نہ ایک دن اس بچہ کی ہلاکت کا سبب ہو کر تاج و تخت کا خواہاں ہوگا، اس لئے اس نے اپنی بیوی (مبارز خاں) کی بہن سے دو مرتبہ کہا کہ اگر تجھکو تیرا بچہ عزیز ہے تو مجھے اجازت دے کہ میں تیرے بھائی کو قتل کر کے کم سن بچہ کے لئے سلطنت کی شاہراہ صاف کر دوں، لیکن ہر مرتبہ بیوی نے یہ عذر کر کے کہ اس کا بھائی عشرت کیش مزاج کا آدمی ہے، ہوائے حکومت کا خواہاں نہیں، اسے قتل سے باز رکھا، اسلام شاہ کا قیاس بعد میں صحیح نکلا اور بہن نے بھائی کی خاطر اپنے بچہ کو ہاتھ سے کھو دیا، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

(۲) فیروز شاہ بن سلیم شاہ

باپ کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت کے مشورہ سے فیروز خاں (پسر نابالغ سلیم شاہ) فیروز شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ تیسرے دن اس کے ماموں مبارز خاں نے اپنی مہربان بہن کی الحاح وزاری پر مطلق خیال نہ کرتے ہوئے بیگناہ نابالغ بچہ کو قتل کر دیا، اور خود تاج و تخت کا مالک بن بیٹھا۔

(۳) محمد شاہ عادل عرف عدلی شاہ

مبارز خاں، سلطنت کی ہوس میں اپنے کم عمر بھانجہ کا خون ناحق کر کے عادل شاہ کے لقب سے سریرآرائے سلطنت ہوا۔ لیکن عوام میں عدلی شاہ مشہور ہوا، ظالم ستم پیشہ، بے علم، شریفوں سے بیزار اور کمینوں کا یار تھا، ہر دل عزیز بننے کے لئے تمام شاہی خزانہ لٹا دیا، پھر بھی رعایا میں محبوب و مقبول نہ ہوا، ہیموں بقال کو صدارت عظمیٰ کا درجہ دیا، امراء کو ہیموں کی ترقی سے سخت ملال ہوا۔

مختلف صوبوں میں آثار بغاوت نمایاں ہوئے، تاج خاں نے بنگالہ میں حکومت قائم کی، ابراہیم خاں بن غازی خاں سُور حاکم بیانہ وہنڈون نے علم مخالفت بلند کیا، اور چنار گڈھ پر قابض ہوگیا، عدلی شاہ نے ابراہیم سُور کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی جس نے شکست پائی۔

(۴) ابراہیم خاں سُور کا حوصلہ بڑھا، اور اس نے بڑھکر دہلی پر قبضہ کیا، اور سکّہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کرکے آگرہ آیا، اس پر بھی قابض ہوا، اکثر امرا ابراہیم خاں سُور کے طرفدار ہوئے، یہ رنگ اور اپنا بازو کمزور دیکھکر عدلی شاہ چنار گڈھ اور بہار پر قانع رہکر حکومت کرنے لگا۔

اس وقت شیر شاہی سلطنت پانچ افغانی امرا میں منقسم تھی (۱) عدلی شاہ بہار و جونپور میں (۲) ابراہیم خاں سُور، دہلی، آگرہ معہ اضلاع دوآبہ (۳) احمد خاں سُور، (شیر شاہ کا عم زاد بھائی) پنجاب میں (۴) شجاعت خاں مالوہ میں (۵) سلطان محمد شاہ سُور بنگالہ میں۔

احمد خاں سُور نے صوبہ پنجاب پر قناعت نہ کی، اپنا لقب سکندر شاہ قرار دیکر اور سکّہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کرکے دہلی کی طرف بڑھا، پہلی ابراہیم خاں سُور نے مصالحت کے لئے نامہ و پیام شروع کیا، آخر میں لڑائی ہوئی، ابراہیم سُور نے ہزیمت پائی، سکندر شاہ کامیاب ہوا۔

(۵) سکندر شاہ سُور

سکندر شاہ نے افغانی امرا کو مجتمع کرکے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ باہم نااتفاقیوں سے افغانی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوچکا ہے، چاروں طرف مدعیان سلطنت نظر آرہے ہیں، اور سب سے زیادہ طاقتور رقیب ہمایوں کابل میں

ہماری کمزوریوں کا منتظر بیٹھا ہوا ہے، مناسب ہے کہ اتفاق کے ساتھ کسی کو تاج شاہی پیش کیا جائے، اور ہم سب اس کی اطاعت کریں، میں نے فی الحال اُن کانٹوں کو ہٹا دیا ہے جو تخت کے گرد جمع تھے، میں خود تاج و تخت کا خواہاں نہیں آلِ سُور یا دیگر افغانی قبائل سے جس کو اہل سمجھو منتخب کر لو۔

افغانی سرداروں نے بالاتفاق کہا کہ ہم نے تجھکو منتخب کیا، یہ کہکر حلفِ اتفاق اور وفاداری بھی اُٹھا لیا، سکندر شاہ آگرہ آیا، باقاعدہ تخت نشین ہوا، مبارکباد اور نذریں پیش ہوئیں، اُس وقت سکندر شاہ کی حکومت دریائے سندھ تک تھی،

ہمایوں کو ہندوستان سے گئے ہوئے تقریباً ۱۶ سال ہو چکے تھے، لیکن وہ کسی وقت ہندوستان کو نہیں بھولا، خواب میں بھی اُس کو ہندوستانی سبزہ زار کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا، بقول کلیم

زشوقِ ہند زانساں چشمِ حسرت بر قفا دارم
کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

آخر کار ہمایوں نے کابل سے حرکت کی، شعبان ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء میں سرزمین پنجاب پر سکندر شاہ سُور سے مقابلہ ہوا۔ سکندر ہزیمت یاب ہو کر کوہ سوالک کی طرف بھاگ گیا، ہمایوں فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ دہلی پہنچا، سلیم گڈھ میں ۲ر رمضان ۹۶۲ھ / ۱۵۵۵ء میں مراسم تخت نشینی ادا ہوئے۔

ابراہیم خاں سُور علیحدہ ملک گیری کی ہوس میں پھرتا رہا، عدلی شاہ پر کئی مرتبہ حملہ آور ہوا، ہر بار ہیموں نے اُسے شکست دی۔ محمد خاں سُور بنگالہ میں جلال الدین شاہ کے لقب سے الگ تخت نشین ہو چکا تھا اور ہمایوں کی آمد سے قبل اس نے جونپور تک قبضہ کر لیا تھا۔ آگرہ کی طرف بڑھا تو ہیموں نے عدلی شاہ کی طرف سے مقابلہ کرکے اُسے شکست دی، محمد خاں سور میدان جنگ میں کام آیا۔

۷ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو ہمایوں بادشاہ کتب خانہ کے زینہ سے گرے اور اسی صدمہ سے ۱۱ ماہ مذکور کو اس دار فانی سے رحلت کی اکبر اسکا ۱۴ سالہ بیٹا جانشین ہوا۔ ہیموں پچاس ہزار فوج اور پانسو ہاتھی لیکر اکبر کے مقابلہ کے لئے آگرہ بڑھا، دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرتا ہوا پنجاب کا رُخ کیا، پانی پت پر پہنچ کر بیرم خاں اور اکبر کی فوج سے مقابلہ ہوا، اس لڑائی میں اتفاقاً ایک تیر ہیموں کی آنکھ میں لگا، جس کے صدمہ سے وہ زندہ گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ ہیموں قوم کا بنیا، نہایت کریہ منظر، اور پست قامت تھا۔ اُس نے نہ کبھی تلوار چلائی نہ تیر و کمان کی کشش سے واقف تھا، نہ جنگی تعلیم پائی نہ جنگجو خاندان میں پیدا ہوا، لیکن قدرت نے رزم و بزم دونوں کا اُسے اہل بنایا تھا، اپنی فراست سے ہاتھی یا گھوڑے پر بیٹھے ہوئے میدان جنگ میں اس داؤگھات سے کام لیتا کہ حریف ششدر رہجاتا، سلیم شاہ اور عدلی شاہ کی طرف سے ۲۲ لڑائیاں لڑا، آخری جنگ کے علاوہ باقی تمام لڑائیوں میں کامیاب رہا، اسی طرح ملکی نظام میں اُسے کامل دسترس تھی۔

ہیموں کے قتل ہو جانے سے عدلی شاہ کے حوصلے پست ہو گئے، چونکہ محمد خاں سُور شاہ بنگالہ قتل ہو چکا تھا، اُس کا بیٹا احمد خاں سُور سلطان بہادر کے لقب سے باپ کا جانشین ہوا، اور اپنے باپ کے انتقام کے جوش میں عدلی شاہ پر ۹۶۵ھ میں حملہ کیا، عدلی شاہ کام آیا، اور اُس کی فوج منتشر ہو گئی۔

اب اکبری اقبال کا دور دورہ تھا، رفتہ رفتہ تقریباً تمام ہندوستان میں اکبری عَلم لہرانے لگا اور آل سُور کی حکومت ختم ہو گئی، فاعتبروا یا اولوالابصار۔

اعتبارے نیست صائب طائر اقبال را
ایں کبوتر ہر زماں مشتاق بام دیگر ست

ــــــــــــــــ ۞ ــــــــــــــــ

فہرست کتب

شعبۂ تالیف و اشاعت آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

چند سال سے کانفرنس نے مفید و دلچسپ کتابوں کی اشاعت کی غرض سے اپنا ایک بک ڈپو بھی قائم کیا ہے جس میں اردو زبان کے تمام مشہور مصنفین مثلاً سرسید، مولانا حالی، علامہ محمد حسین آزاد، مولانا نذیر احمد، علامہ شبلی نعمانی، مولانا شروانی، مولانا سید سلیمان ندوی، وغیرہ کی تصانیف موجود رہتی ہیں۔ اسکے علاوہ بہت سی مفید و دلچسپ کتابیں خود کانفرنس نے بھی طبع کی ہیں انکا ذخیرہ بھی موجود ہے خصوصیت کے ساتھ بچوں اور عورتوں کے پڑھنے کی کتابیں اہتمام کیساتھ جمع کی گئی ہیں۔

جو صاحب ان کتابوں کی تفصیلی کیفیت اور قیمت معلوم کرنا چاہیں وہ صرف ایک کارڈ لکھکر دفتر کانفرنس سے رسالہ خزینۂ معلومات جو ڈیڑھ سو صفحہ کا ہے طلب کریں بلا قیمت ان کی خدمت میں بھیجدیا جائے گا۔ اس میں سے اپنے شوق کی کتابیں منتخب کرلیں، یہاں صرف چند کتابوں کا اشتہار لکھا جاتا ہے، ان کتابوں کو خود بھی خریدیے اور اپنے احباب کو بھی خریداری کی ترغیب دیجیے۔ جو کتابیں کانفرنس نے خود طبع کرائی ہیں اُن پر تاجران کتب کو کمیشن بھی دیا جاتا ہے جو خط و کتابت سے طے ہوسکتا ہے۔ اب کتابوں کی مختصر کیفیت ملاحظہ کیجیے۔

ذکر مبارک یہ کتاب حضرت سرور کائنات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر معتبر و مستند سوانح عمری ہے، باوجود اختصار کوئی ضروری بات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے متعلق ایسی نہیں ہے جو اس کتاب میں موجود نہ ہو، مثلاً حضور کے خاندان، ولادت، رضاعت اور ایام طفولیت کے واقعات کے بعد زمانہ نبوت سے پہلے کے حالات بیان کیے ہیں، اس کے بعد عہد نبوت اور مکہ معظمہ کے زمانہ قیام کے سبق آموز حالات اور کفار سے جو معاملات پیش آئے اُن کا ذکر ہے، پھر ہجرت اور قیام مدینہ منورہ کے زمانہ کے حالات اور تمام لڑائیوں کا تذکرہ ہے اس کے بعد تمام ضروری حالات زمانہ وفات تک لکھے ہیں، اخیر میں ازواج مطہرات و اولاد کا مفصل تذکرہ اور پھر بہت خوبی کے ساتھ آپکے تمام محاسن اخلاق کا تذکرہ ہے۔ کتاب ۹۹ عنوان پر منقسم ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ خوشحال مسلمان اس کی سینکڑوں جلدیں خرید کر مکتبوں، مسجدوں، اور غریب مسلمانوں میں تقسیم کرکے ثواب دارین حاصل کریں۔ جو صاحب کم از کم سو جلدیں نقد قیمت پر خریدیں گے اُنکے ساتھ قیمت میں خاص رعایت کیجائیگی، ضخامت (۱۰۸) صفحے۔ **قیمت ۵ر**

ذکر جمیل یہ کتاب حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات میں ہے اور درحقیقت آپ کی مقدس زندگی و پاکیزہ اخلاق کا مرقع ہے جس کے پڑھنے سے قلب پر خاص اثر پڑتا ہے، یہ مختصر رسالہ اس قابل ہے کہ محافل و مجالس میلاد شریف میں پڑھا جائے۔ زبان کی لطافت و شیرینی اور بیان کا حسن ادب قابل داد ہے۔ نواب صدر یار جنگ بہادر نے جو اس کتاب کے مصنف ہیں دو ہزار جلدیں کانفرنس کو ہدیتہً مرحمت فرمائی ہیں اور کانفرنس نے اس کی تھوڑی قیمت رکھدی ہے، ضخامت ۹۶ صفحہ۔ قیمت ۳ر

ذکر حبیب یہ رسالہ حضور آقائے نامدار صلعم کے حالات میں ہے، اس کے مؤلف بھی نواب صدر یار جنگ بہادر ہیں، ممدوح نے دو ہزار جلدیں کانفرنس کو ہدیتہً عطا فرمائی ہیں مختصر و مستند ہونے مجالس میں پڑھنے کے لئے نہایت موزوں ضخامت ۴۶ صفحہ، قیمت ایک آنہ (۱ر) مذکورہ بالا دونوں رسالے بھی اس قابل ہیں کہ مسلمان ثواب کے لئے ان کو خرید کر مفت تقسیم کریں۔

سلاطین معبر سلسلہ تاریخ دکن کی پہلی کتاب یعنی "جنوبی کارومنڈل" کے مسلمانوں کی فراموش شدہ سلطنت کا تاریخی حال جس کو حیدرآباد کے مشہور مورخ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری نے عربی، فارسی، انگریزی کے معتبر و مستند ماخذوں سے تالیف کیا، کتاب میں متعدد صحیح و صاف نقشہ جات اور سلاطین معبر کے سکوں کے عکسی نقوش ہیں، کتاب مسلم یونیورسٹی پریس میں بہت نفیس چھپی ہے۔ قیمت ۶ر

ملیبار یہ سلسلہ تاریخ دکن کی دوسری کتاب ہے اور حکیم سید شمس اللہ قادری نے بڑی محنت و کاوش سے عربی، فارسی، اردو، انگریزی کی معتبر و مستند کتابوں کے عمیق مطالعہ کے بعد لکھی ہے۔

اس میں ازمنۂ مختلفہ میں جغرافیائی کوائف، قدیم تاریخ، اقوام عالم کے تعلقات، مقدس نفوس کا ورود، عربوں کا توطن، اشاعت اسلام کے حالات، موپلہ کی تحقیق، سیاحوں کے مشاہدات، پرتگیزوں کے اقتدار کی سرگذشت وغیرہ کو مفصل لکھا ہے۔ کتاب میں متعدد و نہایت صحیح و مفید نقشے بھی ہیں، اور متعدد تاریخی مباحث ہیں، نفاست و خوبی سے چھپی ہے، قیمت ۱۰ر

یاد ایام مصنفہ جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء جس کو فاضل مصنف نے جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی خواہش پر تالیف فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں عہد اسلامی میں صوبہ گجرات کی علمی ترقی کی ولولہ انگیز تاریخ نہایت تحقیق و کاوش سے لکھی گئی ہے، جس کے مطالعہ سے دور ماضی کا علمی مرقع ہمارے آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خطہ گجرات بھی سلاطین اسلام کے زمانہ میں علم و فن کا ایک شاندار مرکز تھا، مصنف کی تحقیقات و کاوش قابل ستائش ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت بارہ آنے ۱۲ر

فطرتِ اطفال | فن تعلیم و تربیت کے متعلق انگریزی کی ایک مختصر لیکن نہایت مفید کارآمد اور دلچسپ کتاب کا ترجمہ اساتذہ و والدین دونوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے، یہ رسالہ ۹۴ صفحہ کا ہے اور ابھی حال میں کانفرنس نے ترجمہ کرا کر شائع کیا ہے اولاد کی تعلیم کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ سب خاندانوں کی آیندہ ترقی اسی پر منحصر ہے، اس لئے کسی شخص کو ایسے اہم مقصد پر پانچ آنے خرچ کرتے ہیں تامل نہ ہوگا، جب آپ اس رسالہ کو غور سے پڑھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ صرف پانچ آنے صرف کرکے آپ نے کس قدر معلومات اور تجربہ حاصل کیا، خود بھی خریدیے اور صاحب اولاد کو بھی خریداری کی ترغیب دیجئے۔ قیمت ۵ر

التربیۃ والتعلیم | یعنی مصر کے مشہور و معروف زبردست فاضل علامہ رشید رضا مدیر المنار کی وہ عظیم الشان اور معرکۃ الآرا اصلاحی تقریریں جو علامہ ممدوح نے بزمانہ سیاحت ہند ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ لکھنؤ اور مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور مدرسہ عالیہ دیوبند میں فرمائیں، جن میں اصلاحی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ پر نہایت پرمغز و عالمانہ بحث کی گئی ہے، ایک کالم میں اصلی عربی لکچر اور دوسرے میں بالمقابل اس کا فصیح و سلیس ترجمہ۔ ضخامت مع ٹائیٹل (۱۵۰) صفحہ قیمت عام فائدہ کے لحاظ سے صرف ۴ر

تمدن و معاشرت | یعنی مسلمانوں کے سربرآوردہ لیڈروں سرسید، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا حالی اور بعض دیگر اہل قلم کے اُن چیدہ اور معرکۃ الآرا مضامین کا نادر ذخیرہ جو اصلاح معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں اس رسالہ کا ایک ایک لفظ تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں کے مطالعہ کے قابل ہے ضخامت (۱۷۶) صفحہ قیمت عام فائدہ کے لحاظ سے برائے نام رکھی گئی ہے یعنی صرف ۴ر

مذہب و عقلیات | یعنی پروفیسر مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا معرکۃ الآرا لکچر مذہب و عقلیات کے متعلق پر ایک جدید خیال۔ یہ لکچر ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس سورت ۱۹۱۸ء میں دیا گیا، قیمت پانچ آنے ۵ر

اتالیق باتصویر | یہ رسالہ خاص بچوں کے پڑھنے کے لئے کانفرنس نے تیار کرایا ہے۔ انعامی مقابلہ میں سب سے بہتر تسلیم کیا گیا ہے۔ زبان سہل و سادہ مضامین نہایت نصیحت آمیز جو بچوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ مفید ہیں۔ نظمیں بہت دلچسپ اور آسان زبان میں، قاعدہ وغیرہ کے بعد اگر بچوں کو یہ رسالہ پڑھایا جائے تو بیحد مفید ہوگا، حروف بڑے بڑے روشن اور خوبصورت لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ سائز خوشنما ٹائیٹل رنگین و دلفریب، ضخامت ۵۰ صفحے، طبع دوم، قیمت صرف ۵ر

گنجینۂ اسکاؤٹنگ | بوائے اسکاؤٹنگ کی مفید تحریک جس قدر ہر دلعزیزی حاصل کر رہی اور متمدن ممالک میں پھیل رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے یورپ کے علاوہ مشرقی دنیا میں بھی اس

تحریک نے مقبولیت حاصل کرلی ہے، اس تحریک کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے لڑکوں کی اخلاقی و جسمانی تربیت ہوتی ہے انھیں خدمت خلق کا موقع ملتا ہے اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، تعلیم و تربیت سے اس تحریک کا گہرا تعلق ہے اور تربیت کا بڑا مقصد اس تحریک سے پورا ہوتا ہے، اسی بنا پر دنیا کی مختلف زبانوں میں بوائے اسکاؤٹنگ پر کافی لٹریچر موجود ہے، خود ہمارے ملک میں ہندی زبان میں اس پر بہت سی کتابیں شائع ہوچکی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اُردو جیسی اہم زبان میں اب تک اس پر بہت کم لکھا گیا ہے، اب اُردو خواں اصحاب یہ سنکر خوش ہوں گے کہ مسٹر شبیر احمد بی اے علیگ سکنڈ ماسٹر مسلم یونیورسٹی اسکول اور اسکاؤٹ کمشنر علی گڑھ نے اسکاؤٹنگ پر ایک بہت مفید و مفصل کتاب تالیف کی ہے جس کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے شائع کیا ہے۔

اس کتاب میں اسکاؤٹنگ کے متعلق کوئی ضروری چیز مولف نے نہیں چھوڑی ہے اور کسی مضمون کو نامکمل و تشنہ نہیں رکھا ہے، ابتدا میں بوائے اسکاؤٹنگ کی تاریخ لکھنے کے بعد آئین طلیعہ کو مفصل بیان کیا ہے، پھر فوری طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کے طریقے جن کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے تصاویر کے ذریعہ سے سمجھائے ہیں، ڈرل و خیمہ زنی کے متعلق بھی تمام ضروری ہدایات لکھی ہیں، گرہ بندی (ناٹس) کے ضمن میں جن سے اسکاؤٹس کا واقف ہونا ضروری ہے مختلف گرہیں لگانے کے طریقے بتائے ہیں، پیغام رسانی (سگنلنگ) و سراغ رسانی (ٹریکنگ) کے مفید طریقوں اور اصول کو نہایت آسانی سے سمجھایا ہے، غرض کتاب ہر لحاظ سے مفید ہے۔ ضخامت .. ۳ صفحے سے کچھ زیادہ۔ قیمت مجلد ۱عہ

خطبۂ صدارت شعبۂ اُردو

۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اورنیٹل کانفرنس کا پانچواں اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، اُردو کے مشہور و کہنہ مشق ادیب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب حسرت شروانی اس شعبہ کے صدر تھے، اس موقع پر آپ نے جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا اس نے ہر طرف سے خراج تحسین وصول کیا، یہ خطبہ اردو زبان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔

اس مختصر اشتہار میں یہ بتانا ناممکن ہے کہ یہ خطبہ کیا چیز ہے، مختصر یہ کہ مصنف کی مدت العمر کی واقفیت ذوق سلیم، حسن مذاق، وسعت معلومات کا نتیجہ ہے، اور باعتبار جامعیت، صحت، تاریخی واقعات، ایجاز اور طرزبیان آپ اپنی مثال ہے، یہ ایسا خطبہ نہیں جو ایک بار پڑھ لینے کے بعد بیکار ہو جائے بلکہ باقاعدہ سمجھ کر پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی چیز ہے، ضخامت ۵۰ صفحے چھپائی لکھائی نہایت عمدہ و نفیس۔ کاغذ سفید و مضبوط

قیمت صرف ۔ ۶ر

ملنے کا پتہ: منیجر کانفرنس بک ڈپو، سلطان جہاں منزل، علی گڑھ